ہمارے ائمہؑ

اور

سیاسی جدوجہد

مؤلف

ولی فقیہ حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ

سید علی الحسینی الخامنہ ای مدظلہ العالی

ناشر

معراج کمپنی لاہور

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔

نام کتاب .... ہمارے ائمہ ؑاور سیاسی جدو جہد

مؤلف .... ولی فقیہ حضرت آیت اللہ سید علی الحسینی الخامنہ ای مدظلہ العالی

اردو تصحیح .... مجاہد حسین حرّ

پروف ریڈنگ .... خانم آر چوہدری

کمپوزنگ .... قائم گرافکس ۔جامعہ علمیہ ۔ڈیفنس فیز ۴

ناشر .... معراج کمپنی لاہور

ہدیہ ....

ملنے کا پتہ

معراج کمپنی لاہور

بیسمنٹ میاں مارکیٹ ،غزنی سٹریٹ اردو بازار ۔لاہور

03214971214،04237361214

محمد علی بک ایجنسی اسلام آباد

03335234311

عرض ناشر

حمد ہے اس ذات کے لئے جس نے انسان کو قلم کے ساتھ لکھنا سکھایا اور درود و سلام ہو اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جسے اس نے عالمین کے لئے سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمایا اور سلام و رحمت ہو ان کی آل پر جنہیں اس نے پورے جہاں کے لئے چراغ ہدایت بنایا۔

جب سے ادارہ قائم کیا ایک خواہش تھی کہ آقائی رہبر معظم سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی کی کتابیں شائع کی جائیں لیکن مصرفیات اور کچھ آقائی موصوف کی کتب کی غیر دستیابی کی بنا پر اس خواہش کی تکمیل میں تاخیر ہوئی۔ لیکن اب الحمد للہ جناب مولانا مجاہد حسین حرؔ صاحب نے رہبر معظم کی کتب فراہم کرنے کی ذمہ داری لی اور انہوں نے خداوند قدوس کی بارگاہ سے امید ظاہر کی ہے کہ انشاءاللہ سو (۱۰۰) سے زائد کتب فراہم کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ اور ان کی اس سعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

"ہمارے ائمہؑ اور سیاسی جدوجہد" ولی فقیہ حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی کی ایک ایسی کتاب ہے جس میں ائمہ معصومین علیہم السلام کے انداز تبلیغ و انداز سیاست کو بیان کیا گیا ہے۔

زیر نظر کتاب کی اشاعت ہمارے لئے کسی بڑے اعزاز سے کم نہیں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور اسلامی تعلیمات کے فروغ اور دین الٰہی کی نشر و اشاعت کے

لئے کام کررہے ہیں، ہماری دعا ہے رب العزت تمام امت مسلمہ کوعزت وسربلندی عطا فرمائے اور ہم سب کو ہرطرح کی بداخلاقی اور دیگر آفات و بلیات سے محفوظ رکھے۔(آمین)

قارئین کرام کوہم یہ بھی بتادینا چاہتے ہیں بہت جلد معراج کمپنی کی ویب سائیٹ بناکرآقائی رہبرمعظم کی تمام کتابیں اس پرلوڈکردی جائیں گی۔

ادارہ معراج کمپنی شیخ محمد باقرامین صاحب کی دادی مرحومہ کے نام پرقائم کیا گیا ہے۔مومنین کرام سے درخواست ہے کہ مرحومہ کواپنی دعاؤں میں یادرکھیں۔

ادارہ

فہرست کتاب

ہمارے ائمہ علیہم السلام اور سیاسی جدو جہد 7
ائمہ ؑ کی زندگی میں سیاسی جدو جہد کا عنصر 8
وہ سیاسی ہدف اور مقصد کیا ہے؟ 11
ائمہ علیہم السلام کی سیاسی تحریک کی کلی تصویر 16
پہلا دور 17
واقعہ حرہ 20
فکری انحطاط 21
سیاسی بدعنوانیاں 26
باصلاحیت افراد کی تیاری پر توجہ 32
امام محمد باقر علیہ السلام کا عہد 35
امام جعفر صادق علیہ السلام کا دور 45
امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا عہد 52
امام علی رضا علیہ السلام کا دور 55
ائمہ علیہم السلام کی سیاسی جدو جہد کے مظاہر و آثار 57
امامت کی حکمت عملی 64
ائمہ ؑ کا طریقہ کار اور انکے اصحاب کا نظریہ 67

ہمارے ائمہ علیہم السلام اور سیاسی جدوجہد

ائمہ علیہم السلام کی مظلومیت ان بزرگان اسلام کی زندگیوں تک محدود نہیں رہی ، بلکہ آج سینکڑوں سال گزر جانے کے باوجود ان حضرات کی سیرت کا ایک اہم ترین بلکہ اصلی ترین رخ لوگوں کی عدم توجہی کا شکار ہے جس نے ائمہ علیہم السلام کی مظلومیت کو جاری وساری رکھا ہوا ہے۔ یقیناً گزشتہ صدیوں میں ائمہ علیہم السلام کے بارے میں بڑی ہی بے مثال اور قیمتی کتابیں اور مقالے لکھے گئے ہیں کیونکہ ان کے ذریعہ ان پاک اور بزرگ ہستیوں کی زندگیوں سے متعلق تمام روایات مختلف مجموعوں کی شکل میں آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے جمع کی جاسکی ہیں۔لیکن ائمہ علیہم السلام کی سیاسی جدوجہد کے نقوش، جوان بزرگوں کی تقریباً دوسو پچاس سال کی ظاہری زندگی کے اہم ترین اور ممتاز ترین پہلو ہیں، ان بے شمار احادیث و روایات کے انبار اور ائمہ علیہم السلام کی حیات کے علمی و معنوی پہلوؤں کو اجاگر کرنے والی سوانح حیات میں تقریباً کم سے ہو کر رہ گئے ہیں۔

ائمہؑ کی زندگی میں سیاسی جدوجہد کا عنصر

ائمہ علیہم السلام کی زندگی کو ہمیں درس حیات اور اسوہ عمل کے طور پر دیکھنا چاہئے، یہ مناسب نہیں کہ ہم صرف ایک شاندار قابل فخر یادگار کے عنوان سے اس کا مطالعہ کریں۔ یہ چیز اسی وقت ممکن ہے جب ان عظیم ہستیوں کی سیاسی روش اور ان کے طریقہ کار پر بھی توجہ دیں۔

جہاں تک میرا اپنا تعلق ہے مجھے ائمہ علیہم السلام کی زندگی کے اس رُخ نے خاص طور پر متاثر کیا ہے اور میں اس حقیقت کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا کہ میرے ذہن میں یہ خیال ۱۹۷۱ کے سخت ترین امتحان و آلام کے ایام میں پیدا ہوا۔ اگر چہ اس سے قبل بھی اعلائے کلمہ توحید اور استقرار حکومت الٰہی کے سلسلہ میں ائمہ علیہم السلام کا مجاہدانہ کردار اور ان کی قربانیاں وفداکاریاں میرے پیش نظر تھیں۔ پھر بھی وہ نکتہ جو اس دور میں ناگہانی طور پر میرے ذہن میں روشن ہوا وہ یہ تھا کہیں ان بزرگواروں کی زندگی (اس ظاہری تفاوت کے باوجود جس کو دیکھ کر بعض لوگوں نے ان کے کردار میں تضاد کا گمان کیا ہے) دراصل مجموعی طور پر ایک مسلسل طولانی تحریک ہے جو ۱۱ھ سے شروع ہو کر دوسو پچاس سال تک مسلسل جاری رہی اور ۲۶۰ھ میں جو غیبت صغریٰ کے شروع ہونے کا سال ہے ختم ہوئی۔ یہ تمام ہستیاں ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہیں، ایک ہی شخصیت ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کہ ان سب کا راستہ اور مقصد ایک ہی ہے۔ پس امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام، سید الشہدا امام حسین علیہ السلام اور امام سجاد زین العابدین علیہ السلام کی زندگیوں کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لینے اور پھر لامحالہ اس خطرناک غلط فہمی کا شکار ہو جانے کے بجائے کہ ان تینوں ائمہ علیہم السلام کی

زندگیوں کا بظاہر باہمی فرق ان میں ٹکراؤ اور تضاد کی نشاندہی کرتا ہے ہمیں چاہئے کہ ان سب کی زندگیوں کو ملا کر ایک ایسے انسان کی زندگی فرض کریں جس نے دوسو پچاس سال کی عمر پائی ہو اور جو ۱۱ھ سے لے کر ۲۶۰ھ تک ایک ہی منزل کی سمت مسلسل طور پر گامزن رہا ہو۔ اس طرح اس عظیم اور معصوم زندگی کا ایک ایک عمل قابل فہم اور لائق توجیہ ہو جائے گا۔

ہر وہ انسان جو عقل وحکمت سے مالا مال ہوگا، چاہے وہ معصوم نہ بھی ہو، جب وہ اتنی طویل مدت طے کرے گا تو حتمی طور پر وقت اور حالات کے تحت مناسب حکمت عملی اختیار کرے گا۔ ممکن ہے وہ کبھی تیز رفتاری کو ضروری سمجھے اور شاید کبھی سست رفتاری میں مصلحت جانے، حتیٰ ممکن ہے کبھی وہ کسی حکیمانہ تقاضے کے تحت پسپائی بھی اختیار کرے۔ ظاہر ہے وہ لوگ جو اس کے علم وحکمت اور ہدف ومقصد کے بارے میں علم رکھتے ہیں اس کی عقب نشینی کو بھی پیش قدمی شمار کریں گے۔ اس نکتہ نظر سے امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی زندگی امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ساتھ اور ان کی زندگی سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی زندگی کے ساتھ اور آپ علیہ السلام کی زندگی دیگر آٹھ ائمہ علیہم السلام کی زندگیوں کے ساتھ ۲۶۰ھ تک ایک مسلسل تحریک کہی جا سکتی ہے۔

یہ وہ خیال تھا جس کی طرف میں اس سال متوجہ ہوا اور پھر اسی نکتہ کے ہمراہ میں نے ان عظیم ہستیوں کی زندگیوں کا مطالعہ شروع کیا اور جیسے جیسے میں آگے بڑھتا رہا میری اس فکر کو تائید حاصل ہوتی گئی۔

البتہ اس موضوع پر تفصیلی گفتگو ایک نشست میں ممکن نہیں ہے لیکن اس حقیقت کے پیش نظر کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت طاہرہ یعنی ائمہ علیہم السلام معصومین کی پوری زندگی ایک خاص سیاسی موقف کے ہمراہ رہی ہے، بنابرایں یہ اس قابل ہے کہ اس (سیاسی موقف) کو جداگانہ طور پر مستقل عنوان کی حیثیت سے زیر بحث لایا جائے۔ لہٰذا میں یہاں اس سلسلہ میں مختصر طور پر کچھ عرض کرنے کی کوشش کروں گا۔

میں گزشتہ سال اپنے پیغام میں ائمہ علیہم السلام طاہرین علیہ السلام کی زندگی میں گرم جدوجہد کی طرف اشارہ کر چکا ہوں، آج ذرا تفصیل سے اس کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ پہلی چیز یہ عرض کرنا ہے کہ سیاسی جدوجہد یا گرم سیاسی جدوجہد جسے ہم ائمہ علیہم السلام کی جانب منسوب کررہے ہیں اس سے ہماری مراد کیا ہے؟

مرادی یہ ہے کہ ائمہ علیہ السلام کی مجاہدانہ کوششیں محض ایسی علمی، اعتقادی اور کلامی نہ تھیں جس طرح کی کلامی تحریکوں کی مثالیں اس دور کی تاریخ اسلام میں ملتی ہیں جیسے معتزلہ و اشاعرہ وغیرہ کی تحریکیں۔ ائمہ علیہم السلام کی علمی نشستیں، درسی حلقے، بیان حدیث و نقل معارف اسلامی اور احکام فقہی کی تشریح و توضیح وغیرہ فقط اس لئے نہ تھے کہ علم فقہ یا علم کلام سے متعلق اپنے مکتب فکر کی حقانیت ثابت کردی جائے بلکہ ائمہ علیہم السلام کے مقاصد اس سے کہیں بلند تھے۔

اسی طرح یہ اس قسم کا مصلحانہ قیام بھی نہ تھا جیسا کہ جناب زید شہید اور ان کے بعد ان کے ورثا یا بنی الحسن علیہ السلام کے دوران نظر آتا ہے۔ حضرات ائمہ علیہ السلام نے اس قسم کا کوئی مبارزہ نہیں کیا۔ البتہ اسی مقام پر یہ اشارہ کردینا ضروری ہے (اگر ممکن ہوا تو بعد میں تفصیل پیش کروں گا) کہ ائمہ علیہم السلام معصومین علیہ السلام نے قیام کرنے والے ان تمام لوگوں کی بطور مطلق مخالفت بھی نہیں کی، اگرچہ بعض کی مخالفت بھی کی ہے۔ البتہ اس مخالفت کا سبب ان کا مصلحانہ قیام کرنا نہیں تھا بلکہ کچھ اور دوسری وجوہات تھیں۔ بعض کی بھرپور تائید بھی کی ہے بلکہ بعض میں پشت پناہی اور مدد کے ذریعہ شرکت بھی کی ہے۔ اس سلسلہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ حدیث قابل توجہ ہے، آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"لوددت ان الخارجی یخرج من آل محمد و علی نفقه عیاله۔"[1]

"مجھے یہ پسند ہے کہ آلِ محمد و علی علیہما السلام میں سے کوئی خروج کرنے والا قیام کرے اور

[1] ریاض الأبرار فی مناقب الأئمة الأطہار/ ج 2 / 70 / الفصل الثالث ص: 67

میں اس کے اہل وعیال کے اخراجات کا کفیل بنوں۔"

اس (کفالت وذمہ داری) میں مالی امداد، آبرو کی حفاظت، مخفی جائے تحفظ مہیا کرنا یا اسی طرح کی دوسری مدد بھی شامل ہے۔ لیکن جہاں تک میری نظر جاتی ہے، ائمہ علیہم السلام نے بہ نفس نفیس خود امام وقت کی حیثیت سے مصلحانہ قیام میں کبھی شرکت نہیں کی۔

چنانچہ ائمہ علیہم السلام کی سرگرم سیاسی جدوجہد سے مراد نہ تو وہ مذکورہ پہلی علمی مبارزہ کی صورت ہے اور نہ ہی یہ دوسری نوعیت کا مصلحانہ قیام بلکہ اس سے مراد ایک سیاسی ہدف اور مقصد کے تحت جدوجہد ہے۔

وہ سیاسی ہدف اور مقصد کیا ہے؟

وہ سیاسی مقصد "حکومت اسلامی کی تشکیل" ہے جس کو ہم اپنی زبان میں حکومت علوی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد سے ۲۶۰ھ تک ہم دیکھتے ہیں کہ مسلسل طور پر ائمہ علیہم السلام کی یہی کوشش رہی ہے کہ اسلامی معاشرے میں ایک ایسی الٰہی حکومت قائم کریں اور آپ حضرات کا یہی بنیادی مدعا تھا۔ البتہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ خود اپنے ہی دور میں (یعنی ہر امام اپنے اپنے دور میں) اسلامی حکومت قائم کر دینا چاہتا تھا۔

ممکن ہے یہ جدوجہد مستقبل قریب، مستقبل بعد حتیٰ کہ بعض حالات میں آئندہ انتہائی نزدیکی زمانے میں حکومتِ اسلامی کے قیام سے متعلق رہی ہو۔ مثلاً امام حسن مجتبیٰ کے دور میں کی جانے والی کوششیں آئندہ کم سے کم مدت میں اسلامی حکومت کے قیام کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ چنانچہ جب مسیب ابن نجبہ اور اسی قبیل کے دوسرے افراد نے امام علیہ السلام سے سوال کیا کہ

آپ علیہ السلام نے کیوں خاموشی اختیار کی ہوئی ہے؟ تو ان کے جواب میں امام علیہ السلام نے جو جملہ ارشاد فرمایا وہ اسی طرف اشارہ ہے، امام فرماتے ہیں:

"إِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ ." [1]

"شاید یہ تمہارا امتحان ہو اور ایک وقت تک کا سامان۔"

میری نظر میں جناب سید سجاد علیہ السلام کے دور میں یہ کوششیں، مستقبل قریب کے لئے تھیں جس کے لئے ثبوت وشواہد موجود ہیں جو آئندہ پیش کئے جائیں گے۔ امام محمد باقر علیہ السلام کے دور میں اس بات کا بہت زیادہ احتمال ہے کہ نزدیک ترین مستقبل میں اسلامی حکومت کے قیام کی کوشش کی گئی۔ البتہ امام ہشتم (امام علی رضا علیہ السلام) کی شہادت کے بعد کی جانے والی کوششوں کے سلسلہ میں اس بات کا گمان ہے کہ یہ کوششیں مستقبل بعید کے لئے رہی ہوں۔

مختصر یہ کہ حکومت کب قائم ہو، اس اعتبار سے ہر امام علیہ السلام کی جدوجہد کا طریقہ کار مختلف ہوسکتا ہے لیکن یہ طے ہے کہ اسلامی حکومت کے قیام کے لئے کوششیں ہمیشہ جاری رہی ہیں۔

ائمہ علیہم السلام کی تمام سرگرمیاں (سوائے ان روحی ومعنوی امور کے جو ایک بندہ اپنے خدا سے قربت اور عرفانی مراحل کی تکمیل کے سلسلہ میں انجام دیتا ہے) یعنی درس وتدریس، حدیث و علم کلام کی موشگافیاں، مخالفین سے علمی و سیاسی مناظرے، مختلف گروہوں کی حمایت یا مخالفت وغیرہ، سب کچھ اسی مقصد کے لئے تھیں کہ ایک اسلامی حکومت قائم کی جاسکے۔

یہ ہمارا دعویٰ ہے، البتہ اس موضوع پر لوگوں کے درمیان اختلاف نظر رہا ہے اور رہے گا اور ہمیں بھی اس پر اصرار نہیں ہے کہ ہر شخص ہماری فکر اور نظریہ کو آنکھ بند کر کے قبول کرے۔ بلکہ ہم صرف اتنا چاہتے ہیں کہ اس پہلو پر پوری توجہ اور دقت کی جائے اور ائمہ علیہم السلام کی زندگی پر

---

[1] الامالی (للطوسی)/ النص/ 567 / [21] مجلس یوم الجمعۃ الحادی عشر من صفر سنۃ سبع وخمسین وأربعمائۃ

اس زاویہ سے تجدید نظر کی جائے۔

ادھر چند برسوں میں میری تحقیق وجستجو اس محور پر رہی ہے کہ چاہے مجموعی طور پر تمام ائمہ علیہم السلام کے بارے میں اور خواہ انفرادی پر علیحدہ علیحدہ ان حضرات کے سلسلہ ہیں اس موضوع کو قابل قبول دلائل سے ثابت کی جائے البتہ اس سلسلہ میں بعض دلیلیں کلی نوعیت کی ہیں، مثال کے طور پر:

ہمیں معلوم ہے کہ امامت سلسلہ نبوت کی ہی ایک تکمیلی کڑی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا از اول امام ہونا ثابت ہے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس قول سے بھی ظاہر ہے:

"ان رسول اللہ کان ھو الامام"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی امام تھے۔

نیز رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حق وعدالت پر مبنی ایک الٰہی نظام قائم کرنے کے لئے ہی قیام فرمایا تھا اور ایک عرصہ تک اپنی انتھک جدو جہد کے بعد اس طرح کا نظام قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے، جس کی آپ علیہ السلام تا حیات حفاظت بھی کرتے رہے۔ لہٰذا امام جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین ہے ایک ایسے نظام سے ہرگز غفلت نہیں برت سکتا۔

اس سلسلے کے بعض دلائل خود ائمہ علیہ السلام کے کلمات سے ماخوذ ہیں، یا ان حضرات علیہ السلام کے طرز حیات سے اخذ کئے جا سکتے ہیں جو اس نکتہ کی جانب توجہ اور اس نکتہ پر زیرکی کے ساتھ غور وفکر سے سمجھے جا سکتے ہیں، اور درحقیقت ایک خاص زمانہ کے حالات وشرائط اس دور میں ائمہ علیہم السلام کے موقف اور مقام کو سمجھنے میں مددگار ہو سکتے ہیں جیسے کہ اس زمانہ (شاہ کے دور) میں ہمارے لئے یہ کیفیت حاصل تھی۔

مثلاً ایک انسان تاریک قید خانے میں پہنچ کر ہی "اَلسَّلَامُ عَلٰی...... وَ الْمُعَذَّبِ

فِي قَعْرِ السُّجُونِ وَ ظُلَمِ الْمَطَامِيرِ ذِي السَّاقِ الْمَرْضُوضِ بِحَلَقِ الْقُيُودِ"[1]
(سلام ہو..................ان پر جو گہرے زندانوں میں رکھے گئے اور قید خانوں میں ظلم کا شکار رہے اور تاریک زندانوں میں ان کے پائے مبارک زنجیر کے حلقہ میں مجروح رہے) جیسے جملے کا مفہوم اور علت و وجہ صحیح طور پر سمجھ سکتا ہے۔ بہر حال اسی پہلو پر کم کس قدر بحث کا ارادہ رکھتے ہیں اور اپنے افکار و خیالات اس عظیم الشان اجتماع کے روبرو پیش کرنا چاہتے ہیں۔

جو حضرات دوسری صدی ہجری کی سیاسی تاریخ پر بھرپور نظر رکھتے ہیں اور جنہوں نے ۱۰۰ھ سے کچھ قبل سے لے کر ۱۳۲ھ (جس میں بنی عباس کی حکومت کا آغاز ہو) تک بنی عباس کی سرگرمیوں کا مطالعہ کیا ہے وہ ائمہ علیہم السلام کی بھرپور سیاسی جدوجہد کو کسی حد تک اس وقت کی بنی عباس کی سیاسی زندگی سے تشبیہ دے سکتے ہیں) لیکن جس نے بنی عباس کی زندگی، ان کی سیاسی جدوجہد اور ان کی دعوتوں کا قاعدہ سے مطالعہ نہیں کیا ہے اس کے لئے یہ تشبیہ ہرگز قابل فہم و رسا نہیں ہوسکتی۔ انہی کی طرح کے حالات ائمہ علیہ السلام کی زندگی میں بھی نظر آتے ہیں البتہ اس جوہری فرق کے ساتھ جو ائمہ علیہ السلام کے مقصد اور بنی عباس کے مقصد، ائمہ علیہ السلام کی روش اور بنی عباس کی روش، ائمہ علیہم السلام کے کردار اور بنی عباس کے کردار کے درمیان پایا جاتا ہے۔ البتہ شکل اور طریقہ کار کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے سے بہت نزدیک نظر آتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بعض مواقع پر ہمیں یہ دونوں راہیں ایک دوسرے میں مخلوط نظر آتی ہیں۔ خود بنی عباس آل علی علیہ السلام کے ساتھ اپنے طریقہ کار، تبلیغات و نعرہ دعوت کی یکسانیت و قربت کی وجہ سے عراق و حجاز سے دور علاقوں میں ایسا ظاہر کرتے تھے کہ گویا وہ آل علی علیہ السلام کی راہ پر ہی کاربند ہیں۔ حتیٰ مسودہ نے جب "خراسان" و "رے" میں بنی عباس کی تحریک کی داغ بیل ڈالتے ہوئے سیاہ لباس زیب تن کئے تو اس کے بارے میں کہا کہ:

---

[1] بحار الأنوار (ط - بیروت) / ج 99 / 17 / باب 2 کیفیۃ زیارتہما صلی اللہ علیہما..... ص:7

"هَذَا السَّوَادُ حِدَادُ آلِ مُحَمَّدٍ، وَ شُهَدَاءِ كَرْبَلَاءَ، وَ زَيْدٍ وَ يَحْيَى." [1]

"یہ سیاہ لباس شہدائے کربلا اور زید یحییٰ کے سوگ کی علامت ہے۔"

اور بعض لوگ (حتیٰ ان کے کچھ سرکردہ لوگ) بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ آل علیؑ کے لئے کام کر رہے ہیں۔

کچھ ایسی ہی صورت حال ائمہ علیہم السلام کی حیات طیبہ میں بھی نظر آتی ہے البتہ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں، تین بنیادی عناصر مقصد، روش اور کردار کے فرق کے ساتھ۔

[1] بحارالأنوار (ط-بیروت) / ج31 / 530 / الأخبار..... ص:510

ائمہ علیہم السلام کی سیاسی تحریک کی کلی تصویر

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ائمہ علیہم السلام کے سیاسی جہاد اور جدوجہد کی کلی تصویر کشی کردی جائے۔ پھراس کے بعد ان عظیم ہستیوں کی زندگی سے ان کی سیاسی جدوجہد کے چند روشن نمونے بھی پیش کئے جائیں گے۔

اس کلی تصویر کے سلسلہ میں ہم فی الحال پہلے تین ائمہ علیہم السلام یعنی امیر المومنین علیہ السلام، حسن مجتبیٰ علیہ السلام اور سید الشہدا علیہ السلام کی زندگیوں کو زیر بحث لانا نہیں چاہتے کیونکہ ان کے بارے میں اتنا کچھ لکھا جاچکا ہے کہ تقریباً کسی کو بھی اس بارے میں شبہ نہیں کہ ان حضرات کی تحریک میں سیاسی پہلو موجود تھا۔ چنانچہ ہم اپنی بحث جناب سید سجاد علیہ السلام سے شروع کرتے ہیں۔ میری نظر میں امام زین العابدین علیہ السلام کے دور یعنی ۶۱ ھ سے لے کر امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت یعنی ۲۶۰ ھ تک دوسوسال کا عرصہ تین سیاسی مرحلوں پر مشتمل ہے۔

پہلا مرحلہ ۶۱ ء سے ۱۳۵ ھ یعنی منصور دوانیقی کی خلافت کے آغاز تک پھیلا ہوا ہے۔ اس مرحلہ میں سیاسی جدوجہد ایک نقطہ سے شروع ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ اس میں ایک کیفیت پیدا ہوتی جاتی ہے، گہرائی حاصل کرتی، وسعت پیدا کرتی ہے اور ۱۳۵ ھ تک اوج پر پہنچ جاتی ہے۔ ۱۳۵ ھ جو سفاح کی موت اور منصور دوانیقی کی خلافت کا سال ہے صورتحال بدلتی ہے اور ایسی مشکلات سامنے آتی ہیں جو بڑی حد تک اس جدوجہد کی پیش رفت تحریک کے دوران ہم نے ایسی چیزوں کا مشاہدہ کیا ہے۔

دوسرا مرحلہ ۱۳۵ھ سے ۲۰۲ھ یا ۲۰۳ تک کا ہے جو امام رضا علیہ السلام کی شہادت کا سال ہے۔ یہ مرحلہ پہلے مرحلہ کی بہ نسبت جدوجہد کے اعتبار سے ایک درجہ بالاتر، عمیق تر اور وسیع تر نظر آتا ہے۔ اگرچہ اس مرحلہ کا آغاز سخت مشکلات کے ہمراہ ہوا تھا پھر بھی تحریک نے رفتہ رفتہ اوج حاصل کر لیا، پھیلی اور قدم قدم کامیابیوں سے قریب تر ہونے لگی۔ یہاں تک کہ امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت کے بعد اس جدوجہد میں پھر توقف پیدا ہو گیا۔

۲۰۴ھ میں مامون رشید کے بغداد چلے جانے کے بعد اسلامی جدوجہد کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے (تیسرا مرحلہ)۔ دراصل مامون کی خلافت کے ابتدائی دن ائمہ علیہم السلام کی زندگی کے نہایت دشوار اور آزمائش و ابتلا کے دن ہیں، اگرچہ اس دور میں تشیع ہمیشہ سے زیادہ پھیلا۔

میری نظر میں اس عصر میں ائمہ علیہم السلام کو ہر دور سے زیادہ مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا اور یہ وہی زمانہ ہے جب میرے خیال میں ائمہ علیہم السلام کی جدوجہد ایک طویل مدتی ہدف کے لئے تھی۔ یعنی اب ائمہ علیہم السلام کو غیبت صغریٰ سے قبل الٰہی حکومت کے قیام کی امید نہیں رہی تھی۔ ان کی کوششیں مستقبل بعید کے لئے زمین ہموار کرنے کی طرف منتقل ہو چکی تھیں۔ اور یہ سلسلہ ۲۰۴ھ سے یوں ہی جاری رہتا ہے یہاں تک کہ ۲۶۰ھ میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت اور غیبتِ صغریٰ کی ابتداء ہو جاتی ہے۔

یہ تینوں ادوار کچھ امتیازی خصوصیات کے حامل ہیں جنہیں اجمالی طور پر بیان کروں گا۔

پہلا دور

یہ پہلا دور امام زین العابدین علیہ السلام، امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی

کے ایک حصے پر مشتمل ہے۔اس دور کا آغاز بے پناہ دشواریوں کے ساتھ ہوتا ہے۔کربلا کے حادثے نے دنیائے تشیع بلکہ پورے عالم اسلام کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔قتل وقید وظلم وستم کوئی نئی بات نہ تھی لیکن خاندان نبوت کی شہادت اور پھر مخدرات عصمت وطہارت کی اسیری، ان کی شہر بہ شہر تشہیر، فرزند زہرا علیہ السلام کے کٹے سر کا نیزے پر بلند کیا جانا (جبکہ ابھی وہ لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے ان لب ہائے مبارک پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوسے لیتے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا) وہ چیزیں تھیں کہ جنہیں دیکھ کر پورا عالم اسلام مبہوت ومتحیر تھا۔کسی کے تصور میں بھی نہ تھا کہ حالات یہ رخ اختیار کرلیں گے۔اگر جناب زینب سلام اللہ علیہا سے منسوب یہ شعر درست ہو کہ

مَا تَوَهَّمْتُ يَا شَقِيقَ فُؤَادِي
كَانَ هَذَا مُقَدَّراً مَكْتُوبَا[1]

تو دراصل یہ اسی ناقابل تصور درد وکرب کا اظہار ہے اور یہی احساسات تمام لوگوں کے تھے۔یکا یک ذہنوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ موجودہ سیاست ایک دوسری قسم کی سیاست ہے۔یہ ظلم وزیادتی اب تک ہونے والی زیادتیوں سے کہیں زیادہ تھی۔ناقابل تصور چیزیں تصور کی جانے لگیں اور وقوع پذیر ہونے لگیں۔چنانچہ تمام دنیائے اسلام پر ایک عجیب قسم کی دہشت اور رعب کا عالم طاری تھا۔صرف کوفہ میں توابین اور پھر مختار سے فضاء کچھ مختلف تھی۔

مکہ مکرمہ میں بھی جہاں کچھ دنوں بعد عبداللہ بن زبیر نے آواز اٹھائی ایسی کیفیت طاری تھی کہ تاریخ اسلام میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

عراق میں بھی اگرچہ ۶۴ ھ ۶۵ ہجری میں (کیونکہ بظاہر توابین کو ۶۵ ھ میں شہید کیا گیا) توابین کی کوششوں سے وہاں کی مردہ اور بوجھل فضا میں ایک تازہ لہر پیدا ہوئی لیکن توابین کی

---

[1] بحارالأنوار (ط-بیروت)/ ج45 / 115 / باب39 الوقائع المتأخرة عن قتله صلوات الله عليه إلى رجوع أهل البيت ع إلى المدينة وما ظهر من إعجازه صلوات الله عليه في تلك الأحوال..... ص:107

شہادت نے اس خوف و وحشت میں اور اضافہ کر دیا اور پھر جب اموی کارخانہ سیاست کے دشمن یعنی مختار اور معصب ابن زبیر آپس میں لڑ پڑے اور عبداللہ ابن زبیر کو مکہ میں رہنے کے باوجود بھی اہل بیت علیہم السلام کے طرفدار جناب مختار کا وجود کوفہ میں برداشت نہ ہوا اور معصب ابن زبیر کے ہاتھوں مختار قتل کر دیئے گئے تو ایک مرتبہ پھر اس خوف و وحشت میں مزید اضافہ ہوا اور امیدیں، مایوسی میں بدلنے لگیں اور آخر کار عبدالملک بن مروان کو تخت خلافت پر تسلط حاصل ہوا۔

اس کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں پوری دنیائے اسلام پر بنی امیہ کی گرفت مضبوط ہوگئی اور اکیس سال تک پورے قدرت و اقتدار کے ساتھ وہ مسلمانوں پر حاکم رہے۔

واقعہ حرہ

اس مقام پر خاص طور سے واقعہ حرہ کی طرف اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ۶۴ ھ میں جبکہ مدینہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مسلم بن عقبہ نے چڑھائی کی جو مزید رعب و وحشت پیدا کرنے کا سبب ہوئی اور جس نے اہل بیت علیہم السلام کو مکمل طور پر غربت و مظلومیت میں مبتلا کر دیا۔ اس حادثہ کی مختصر روئیداد یہ ہے کہ ۶۲ ھ میں یزید نے شامی سرداروں میں سے ایک ناتجربہ کار جوان کو مدینہ میں مقرر کیا جس نے اہل مدینہ کے خیالات یزید کی طرف سے صاف کرنے کے لئے چند افراد کو اس بات کی دعوت دی کہ وہ شام جا کر یزید سے ملاقات کریں۔ چنانچہ کچھ لوگ اس پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے شام جا کر یزید سے ملاقات بھی کی۔ اگرچہ یزید نے ان کو بہت زیادہ انعامات (پچاس ہزار سے ایک لاکھ درہم تک) سے نوازا لیکن یہ لوگ جو خود صحابی رسول تھے یا اولاد صحابہ میں سے تھے یزیدی دربار کا قریب سے مشاہدہ کرنے کے بعد اور زیادہ متنفر اور غصہ ہو گئے اور جب مدینہ واپس ہوئے تو عبداللہ ابن حنظلہ غسیل الملائکہ نے اپنی حکومت کا اعلان کر کے یزید کے خلاف بغاوت اور مرکزی حکومت سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ یزید نے ان کی سرکوبی کے لئے مسلم ابن عقبہ کو روانہ کیا اور مدینہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایسا عظیم المیہ برپا ہوا جس نے تاریخ میں خون کے آنسو رلا دینے والے، سسکیوں اور آہوں سے معمور باب کا اضافہ کر دیا۔ یہ واقعہ بھی لوگوں میں شدید رعب و وحشت ایجاد کرنے کا سبب بنا۔

فکری انحطاط

اس خوف و ہراس کے ساتھ ہی ساتھ ایک دوسرا عامل بھی موجود تھا، اور وہ تھا پوری دنیائے اسلام پر چھایا ہوا فکری انحطاط، جو گزشتہ بیس برسوں میں دینی تعلیمات سے بے اعتنائی کا نتیجہ تھا۔ گویا ۴۰ھ کے بعد تقریباً بیس سال کے عرصہ میں دین و ایمان کی تعلیمات، آیات الٰہی کی تفسیر اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق وآ گہی سے بھرپور بیانات اس حد تک محدود ہو کر رہ گئے تھے کہ عوام الناس اعتقاد و ایمان کے لحاظ سے بالکل فرومایہ، کھوکھلے اور دیوالیہ ہو چکے تھے۔

جب ایک انسان اس دور کی عوامی زندگی کا ذرا باریک بینی کے ساتھ جائزہ لیتا ہے اور مختلف تاریخوں اور روایات میں ان کے حالات کھنگالنے کی کوشش کرتا ہے تو اس پر یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلامی معاشرے میں علماء و قارئین اور محدثین و مقدسین بالکل ناپید ہو چکے تھے (ان کے بارے میں گفتگو بعد میں آئے گی) ایسا نہ تھا، پھر بھی عوامی زندگی بلاشبہ بے دینی اور اعتقادی ضعف اور اضمحلال کا شکار تھی۔ حالات اتنے بگڑ چکے تھے کہ خود دربار خلافت سے تعلق رکھنے والے بعض افراد نبوت کے بارے میں بھی شکوک و شبہات اور ابہامات پیدا کرنے لگے تھے۔ چنانچہ کتابوں میں مذکور ہے کہ خالد بن عبداللہ قسری جس کو بنی امیہ کی پستی اور رذالت کا بدترین نمونہ کہا جا سکتا ہے بڑی ہی دیدہ دلیری کے ساتھ کہتا ہے:

"کان یفضل الخلافة علی النبوة"

یعنی" (معاذ اللہ) خلافت نبوت سے بالاتر ہے۔"

اور اس کے لئے دلیل کے طور پر کہتا تھا کہ:

"ایهما افضل؟ خلیفة الرجل فی اهله او رسوله الیٰ اصحابه۔"

اگر تم ایک شخص کو اپنے گھرانے میں اپنا جانشین مقرر کرتے ہو تو وہ شخص تم سے زیادہ قریب ہوگا یا وہ شخص جس کو کسی کے پاس پیغام رسانی کا ذریعہ بنایا جائے۔

ظاہر ہے جس کو تم اپنے گھرانے میں منتخب کر کے اپنا جانشین مقرر کرتے ہو وہی تم سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ لہٰذا خلیفۃ اللہ (یہ لوگ خلفائے رسول کے بجائے خلیفۃ اللہ کہنے لگے تھے) رسول اللہ سے بالاتر ہے۔

یہ تو خالد بن عبد اللہ قسری کی بات تھی یقیناً اس طرح کی باتیں دوسرے افراد بھی کرتے رہے ہوں گے۔

جب میں نے دیکھا کہ عبد الملک بن مروان کے زمانے سے خلفاء کے لئے خلیفۃ اللہ کی تعبیر اس کثرت سے استعمال کی جانے لگی کہ عوام یہ بھی بھول گئے کہ خلیفہ، خلیفہ پیغمبر بھی ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ بنی عباس کے دور میں بھی جاری رہا چنانچہ بشار ابن برد نے جب یعقوب بن ابن داؤد اور منصور کی ہجو میں اشعار کہے تو اس میں بھی یہی تعبیر استعمال کی:

"ضاعت خلافتكم يا قوم فالتمسوا خليفه الله بين الزق والعود۔"

"اے قوم تمہاری خلافت ختم ہوگئی اب خلیفہ الٰہی کو زق اور عود کے درمیان تلاش کرو۔"

سوچنے کا مقام ہے جب ایک شاعر خلیفہ کے لئے ہجو کہتا ہے تو بھی خلیفہ اللہ کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اس زمانہ کے تمام نامور شعراء حریر، فرزدق، نصیب اور سینکڑوں دوسرے مشہور

شعراء جب خلیفہ کی مدح سرائی کرتے ہیں تو اس کو خلیفہ اللہ سے مخاطب کرتے ہیں۔

یہ اس زمانے کے لوگوں کے اعتقاد کا صرف ایک نمونہ ہے۔ دین کی بنیادی باتوں کے سلسلہ میں بھی اس حد تک ایمان کمزور ہو چکا تھا۔

لوگوں کے اخلاق و عادات کی حالت تو اس سے بھی زیادہ خراب تھی۔ ابوالفرج کی کتاب اغانی کا مطالعہ کرتے وقت ایک نکتہ یہ میرے ہاتھ آیا کہ تقریباً اسی اور نوے ہجری سے ۵۰، ۶۰ سال بعد تک جتنے بڑے بڑے گانے بجانے والے عیاش اور عشرت طلب افراد تھے وہ یا تو مدینہ سے تعلق رکھتے تھے یا مکہ سے۔ چنانچہ جب شام میں خلیفہ کا دل اکتا جاتا تھا۔ محفل رقص وسرور گرم کرنے کے خواہش مچلنے لگتی تھی اور بہترین قسم کے گانے بجانے والوں کو سننے کا دل چاہتا تھا تو اس کے لئے مکہ یا مدینہ سے کسی کو لایا جاتا تھا، جو اس وقت کے مشہور و معروف گانے بجانے والے مغنیوں اور طبلہ نوازوں کے مرکز تھے۔ بدترین فحاشی اور ہرزہ سرائی کرنے والے شعراء مکہ اور مدینہ میں موجود تھے۔

مرکز وحی والہام اور منبع ایمان واسلام مرکز فحشاء وفساد میں تبدیل ہو چکا تھا۔ ہمیں مکہ مدینہ کے بارے میں ان تلخ حقائق کو بھی جاننا چاہیئے۔ افسوس ہے کہ ائمہ علیہم السلام کے متعلق کتب و آثار میں ان تلخ حقیقتوں کے بیان سے چشم پوشی کی گئی ہے۔

مکہ میں عمر ابن ابی ربیعہ نامی ایک شاعر تھا جس کا شمار بدترین عریاں وفحش نگاروں میں ہوتا تھا۔ البتہ شک نہیں کہ فن وشاعری میں اس کو پوری قدرت و کمال حاصل تھا۔ اس کی داستان اور اس قسم کے دوسرے شعراء کا کردار اس زمانے کی غم انگیز تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے اور خود مقامات طواف ورمی خمرات نیز دیگر مشاہد مقدسہ ان لوگوں کی بیہودہ گوئی اور فسق و فجور کے شاہد ہیں۔ "مغنی" میں موجود درج ذیل اشعار اسی دور کے حالات کی عکاسی کرتے ہیں:

بدا لی منہا معصم حین جمرت و کف خضیب زینت ببنان

فو اللہ ما ادری وان کنت داریا بسبع رمین الجمر ام بثمان

”جب اس نے رمی جمرہ کیا تو میرے سامنے اس کی کلائی اور مہندی لگے ہاتھ ظاہر ہوئے جن کی انگلیوں کے پوروں کی زینت کی گئی تھی۔ بخدا انہیں دیکھ کر میں بھول گیا کہ میں نے سات کنکر مارے ہیں یا آٹھ جبکہ اس سے پہلے مجھے یاد تھا۔“

ایک راوی کے الفاظ ہیں کہ جس وقت عمر ابن ابی ربیعہ مرا ہے تو پورے مدینہ میں صف ماتم بچھ گئی۔ مدینہ کی گلیوں اور کوچوں سے لوگوں کے رونے اور فریاد کرنے کی آوازیں بلند تھیں۔ جس طرف سے گزرییے نوجوانوں کی ٹولیاں حلقہ بنائے عمر ابن ابی ربیعہ کی موت پر رنج وغم میں بیٹھی نظر آتی تھیں۔ میں نے ایک کنیز کو دیکھا کہ کسی کام سے چلی جارہی ہے اور اس حالت میں بھی اس کی آنکھوں سے اشک جاری ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیوں گریہ وزاری کرتی ہو؟

کنیز نے جواب دیا: عمر ابن ابی ربیعہ جیسے شخص سے محروم ہوجانے پر۔

کسی نے جواب دیا: غم نہ کرو مکہ میں ایک دوسرا شاعر حارث ابن خالد مخزومی موجود ہے اور وہ بھی عمر ابن ابی ربیعہ کی طرح شعر کہتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے حارث کا ایک شعر سنایا جس کو سن کر کنیز نے اپنی آنکھوں کو خشک کرتے ہوئے کہا:

الحمد للہ الذی لم یخل حرمہ

خدا کا شکر کہ اس نے اپنا حرم خالی نہیں چھوڑا!!!

یہ تھی اہل مدینہ کی اخلاقی حالت۔

اس طرح کی بے شمار داستانیں اور اہلیان مکہ ومدینہ کی شب نشینی کے واقعات کتابوں میں موجود ہیں اور یہ پستی صرف کسی ایک طبقہ کے افراد تک محدود نہیں تھی بلکہ ہر طبقہ کا یہی عالم تھا۔ ایک گدائی کرنے والا فاقہ زدہ بدبخت شاعر اور جوکر شعب جو طماع (لالچی) کے نام سے مشہور تھا

اس سے لے کر کوچہ و بازار سب ہی ایک تھالی کے چٹے بٹے تھے۔ حتیٰ کے بعض بنی ہاشم جن کا میں یہاں نام لینا نہیں چاہتا ان کی بھی یہی حالت تھی۔ قریش کی مشہور و معروف شخصیتوں کی اولادیں کیا مرد اور کیا عورتیں عیاشوں، فاسقوں اور فاجروں کی صف میں شامل تھیں۔ اسی شخص حارث بن خالد کی گورنری کے زمانہ میں ایک دن عائشہ بن طلحہ طواف میں مصروف تھی۔ یہ شخص اس عورت سے خاص تعلق خاطر رکھتا تھا۔ جب اذان کا وقت ہوا تو عائشہ نے حارث کے پاس پیغام بھجوایا کہ کہہ دو کہ جب تک میرا طواف ختم نہ ہو جائے اذان نہ دی جائے۔ حارث نے حکم دے دیا کہ عصر کی اذان نہ دی جائے۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ تم ایک شخص کے طواف کی خاطر اتنے سارے لوگوں کی نماز میں تاخیر کرنا چاہتے ہو؟ اس پر حارث نے جواب دیا: بخدا اگر کل صبح تک بھی اس کا طواف طول کھینچتا تو میں یہی کہتا کہ اذان نہ دی جائے۔

سیاسی بدعنوانیاں

اس فکری اور اخلاقی انحطاط کے ساتھ ہی ساتھ ایک اور عامل یہ بھی تھا کہ یہ دور سیاسی بدعنوانیوں سے بھی دوچار تھا۔ زیادہ تر بڑی بڑی شخصیتیں ایسی مادی خواہشات کی اسیر تھیں جو حکام ہی کے ذریعہ پوری ہوسکتی تھیں۔ ایک زمانے میں امام سجاد علیہ السلام کی شاگردی میں رہنے والے محمد بن شہاب زہری جیسی بزرگ شخصیت نے بھی خود کو اس پستی میں گرادیا تھا کہ امام علیہ السلام کو وہ مشہور و معروف خط لکھنا پڑا جو صرف ایک خط ہی نہیں بلکہ اس حقیقت کی بھی نقاب کشائی کرتا ہے کہ اس نے کس قسم کے لوگوں سے ربط وضبط پیدا کر رکھا تھا۔ اور اس دور میں محمد بن شہاب جیسے افراد کی کمی نہیں تھی۔

علامہ مجلسی رضوان اللہ علیہ نے جو بات ابن ابی الحدید سے نقل کی ہے اس کو پڑھ کر انسانی ذہن کو سخت جھٹکا لگتا ہے۔ بحار الانوار میں پہلے تو علامہ مجلسی نے جناب جابرؓ کی زبانی امام سجاد علیہ السلام کا ایک قول نقل کیا ہے کہ امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

"مَا نَدْرِی کَیْفَ نَصْنَعُ بِالنَّاسِ إِنْ حَدَّثْنَاهُمْ بِمَا سَمِعْنَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضَحِکُوا وَإِنْ سَکَتْنَا لَمْ یَسَعْنَا"[1]

"اور ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں کے ساتھ کیا کریں۔ اگر ہم انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہوئی باتیں سناتے ہیں تو وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور اگر

[1] الکافی (ط-الاسلامیۃ)/ ج3 / 234 / باب أن المیت یمثل لہ مالہ وولدہ وعملہ قبل موتہ..... ص:231

خاموش رہیں تو خود متوجہ نہیں ہوتے۔"

اس کے بعد علامہ ایک ماجرا نقل کرتے ہیں کہ امام سجاد علیہ السلام لوگوں کے درمیان حدیث نقل کرتے ہیں۔ مجمع کے درمیان سے ایک شخص اٹھ کر مذاق اڑاتا ہے اور حدیث قبول کرنے سے انکار کردیتا ہے۔ واقعہ نقل کرنے کے بعد علامہ مجلسی زہری اور سعید ابن مسیب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ منحرفین میں سے تھے۔ (اگرچہ میں ذاتی طور پر سعید ابن مسیب کے سلسلہ میں یہ بات قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں کیوں کہ دوسری دلیلوں سے ان کا امام علیہ السلام کے حواریوں میں سے ہونا ثابت ہے۔ البتہ زہری اور دوسرے بہت سے لوگوں کے سلسلہ میں یہ بات صحیح ہے) اس کے بعد خود علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ: ابن ابی الحدید نے ایسی بہت سی شخصیتوں اور اس دور کے سر برآوردہ حضرات کے نام ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ سب اہل بیت علیہم السلام سے منحرف تھے اور پھر آپ حضرت سجاد علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیہ السلام نے فرمایا:

"مَا بِمَكَّةَ وَلَا بِالْمَدِينَةِ عِشْرُونَ رَجُلًا يُحِبُّنَا" [۱]

"پورے مکہ اور مدینہ میں ہمیں چاہنے والے بیس آدمی بھی نہیں ہیں"

یہ تھے وہ بدترین حالات جن میں امام زین العابدین علیہ السلام زندگی بسر کررہے تھے اور یہی وہ دور ہے جب آپ علیہ السلام اپنے عظیم مشن کے لئے جدوجہد کا آغاز کرتے ہیں اور اسی زمانہ کی طرف امام جعفر صادق علیہ السلام ان لفظوں میں اشارہ فرماتے ہیں:

"ارْتَدَّ النَّاسُ بَعْدَ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَّا ثَلَاثَةً" [۲]

امام حسین علیہ السلام کے بعد تین افراد کے علاوہ سب ہی مرتد ہو گئے تھے۔

---

[۱] الغارات (ط-القديمة) / ج2 / 393 / ومنهم أبوعبدالرحمن السلمى ..... ص: 389

[۲] بحارالأنوار (ط-بيروت) / ج46 / 144 / باب 8 أحوال أهل زمانه من الخلفاء وغيرهم وما جرى بينه ع وبينهم و أحوال أصحابه وخدمه ومواليه ومداحيه صلوات الله عليه ..... ص: ۱۱۵

اوران تین آدمیوں کے نام لیتے ہیں، ابوخالد الکاہلی، یحییٰ ابن ام الطویل اور جبیر بن مطعم ابن جبیر" [1] اتنے سخت ماحول اور ایسی سنگلاخ وادی میں رہتے ہوئے امام علیہ السلام اپنے ہدف کی تکمیل کے لئے جدوجہد میں مشغول ہوتے ہیں۔

اب سید سجاد کا طریقہ کار کیا ہوتا؟

اپنے مقصد تک رسائی کے لئے امام علیہ السلام نے اپنے دوش پر تین ذمہ داریاں محسوس کیں۔

۱۔(پہلی ذمہ داری تو یہ تھی کہ امام علیہ السلام لوگوں کو معارف اسلامی کی تعلیم دیں:
اگر ہم اسلامی حکومت وجود میں لانا چاہیں تو یہ اس وقت تک ممکن ہی نہیں ہے جب تک کہ عوام کے اندر دینی تعلیمات سے آشنائی پیدا نہ ہوجائے۔ بغیر اس کے اس طرح کی حکومت کی امید ہی فضول ہے۔ لہٰذا سب سے پہلا کام یہی ہے کہ لوگوں کو دینی تعلیمات سے مزین کیا جائے۔

۲۔(دوسری ذمہ داری یہ تھی کہ خاص طور سے مسئلہ امامت جو ایک اجنبی اور متروک مسئلہ ہو گیا ہے۔ یا اس کو غلط معنی پہنا کر پیش کیا جانے لگا ہے اس کی حقیقت کی وضاحت کر کے لوگوں کے ذہنوں کی صفائی کی جائے، یعنی انہیں بتایا جائے کہ امامت کا کیا مفہوم ہے؟

کون امام ہوسکتا ہے؟ امام ہونے کے لئے کیا شرائط ہیں؟ کیونکہ بہرحال معاشرے میں ایک قائد موجود تھا اور وہ (اس وقت) عبدالملک ابن مروان تھا جس کو لوگ اپنا امام تصور

---

[1] البتہ علامہ شوستری کا خیال ہے کہ جبیر بن مطعم درست نہیں اس کے بجائے حکیم ابن جبیر مطعم ہونا چاہئے اور بعض تاریخوں میں محمد بن جبیر مطعم ہے۔
بحارالانوار کی ایک روایت میں چار افراد کا ذکر ہے اور بعض روایتوں میں پانچ اشخاص کے نام لئے گئے ہیں۔ اور یہ سب روایات ایک دوسرے کے ساتھ قابل جمع ہیں۔

کرتے تھے۔ اسلامی معاشرے کی قیادت اس کے ہاتھ میں تھی۔

بعد میں ہم امام کی بحث میں عرض کریں گے کہ امامت کا وہ تصور ہر چند آخری صدیوں سے ہمارے پاس موجود ہے وہ اس تصور سے قطعی مختلف ہے جو صدر اسلام میں رائج تھا۔ دراصل اس زمانہ میں ائمہ علیہم السلام کے موافقین ومخالفین سب اس کا وہی مفہوم لیتے تھے جو آج جمہوری اسلامی ایران میں سمجھا جارہا ہے۔ امام امت، رہبر ملت یعنی حاکم دین ودنیا۔ ادھر آخری دو تین صدیوں سے ہمارا تصور امام کے سلسلہ میں کچھ اور ہی ہو چکا تھا۔ ہم سمجھ بیٹھے تھے کہ معاشرے میں ایک تو ایسا شخص ہوتا ہے جو عوام سے ٹیکس وصول کرتا ہے، انہیں محاذ جنگ پر بھیجتا ہے، ان کو صلح کی دعوت دیتا ہے، ان کے مسائل کا ذمہ دار ونگراں ہوتا ہے، حکومتی ادارے بناتا ہے گویا حکومت کی تشکیل، اس کا نظم ونسق سب کچھ اس کے ہاتھ میں ہے اور اس کو حاکم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک دوسرا شخص ہوتا ہے جس کا کام یہ ہے کہ لوگوں کا دین درست کرے، ان کے عقیدے کو سدھارے، لوگوں کی نماز اور قرأت ٹھیک کرے اور اسی طرح کے دوسرے امور (اپنی ہمت وصلاحیت کے مطابق) انجام دیتا رہے اور اس کا نام عالم رکھ دیا گیا۔

امام کو بھی اپنے زمانہ میں تقریباً وہی حیثیت حاصل تھی جو بعد کی صدیوں میں عالم کی رہی ہے۔ خلیفہ اپنے کام انجام دیتا ہے، وہ بھی لوگوں کے دین اور اخلاق درست کرتا ہے۔ ادھر چند آخری صدیوں سے امام کے بارے میں ہمارا یہی تصور رہا ہے۔ جبکہ صدر اسلام میں امام دنیا کا حاکم سمجھا جاتا تھا۔ خلفائے بنی امیہ اسی منصب کے مدعی تھے۔ بنی عباس بھی ایسا ہی دعویٰ کرتے تھے۔ شراب کے نشہ میں چور دنیا بھر کے لہو ولعب میں ڈوبے ہونے کے باوجود اسی قسم کی امامت کے دعویدار بنے بیٹھے تھے۔ وہ خود کو امام سمجھتے تھے۔ اگر موقع ملا تو ان شاء اللہ اس بارے میں بھی گفتگو کریں گے۔

بہر حال اس وقت تو صرف اتنا عرض کرنا مقصود ہے کہ اسلامی معاشرے میں امام

موجود تھا، ان کا امام عبدالمالک تھا۔ اور امام سجاد علیہ السلام کے لئے ضروری تھا کہ لوگوں کو امامت کے صحیح معنی، جہت و مقصد اور شرائط سے واقف کیا جائے۔ آپ علیہ السلام کی ذمہ داری عوام کے سامنے ان چیزوں کی نشان دہی کرنا تھی جو امامت کے لئے ناگزیر ہیں، وہ چیزیں جن کے بغیر کسی شخص کا امام ہونا ممکن نہیں تھا۔ امام علیہ السلام کو ان تمام باتوں کی تشریح و توضیح کرنی تھی۔

۳۔ تیسری اور آخری منزل یہ تھی کہ امام علیہ السلام لوگوں کو بتائیں کہ میں امام ہوں:

یعنی وہ شخص جسے اس مقام پر ہونا چاہئے، میں ہوں۔

امام زین العابدین علیہ السلام کے سامنے یہ تین امور تھے جنہیں آپ علیہ السلام کو انجام دینا تھا۔

امام علیہ السلام کی زیادہ تر جدوجہد پہلے مسئلے پر مرکوز رہی۔ کیونکہ جیسا کہ ہم نے عرض کیا ابھی آپ علیہ السلام کے دور میں نوبت یہاں تک نہ پہنچی تھی کہ لوگ امام علیہ السلام سے "میں امام ہوں" سننے کے متحمل ہوتے۔ پہلے امام علیہ السلام کو لوگوں کے دین کی اصلاح کرنی تھی، انہیں اسلامی اخلاق سے آراستہ کرنا تھا، لوگوں کو فسق و فساد کے گڑھوں سے باہر نکالنا تھا، معاشرے میں روحانیت و معنویت (جو دین کا لب ولباب اور اصل روح ہے) دوبارہ زندہ کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں امام علیہ السلام کی اکثر زندگی اور کلام زہد پر مبنی ہے، تمام کا تمام زہد کی تعلیم ہے۔ حتیٰ اپنے ایک سیاسی مقصد سے متعلق گفتگو کا آغاز بھی ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"اَنَّ عَلَامَةَ الزَّاهِدِينَ فِي الدُّنْيَا الرَّاغِبِينَ فِي الْآخِرَةِ۔" [1]

"ان لوگوں کی نشانی جنہوں نے دنیا سے بے رغبتی اور آخرت سے رغبت کی۔"

یا اپنے ایک مختصر پیغام میں دنیا اور بڑے بڑوں کا دل اپنی طرف کھینچ لینے والی اس کی چکاچوند پر ان الفاظ میں تبصرہ فرماتے ہیں:

"ہے کوئی آزاد منش مرد جو پیٹ سے الٹی ہوئی اس غذا (دنیا) کو اسکے اہل کے

---

[1] بحارالانوار (ط۔بیروت) / ج 75 / 128 / باب 21 وصایا علی بن الحسین ع ومواعظہ وحکمہ ..... ص: 128

لئے چھوڑ دے۔ تمہارے وجود کی جنت کے سوا کوئی قیمت نہیں، اسے اس کے سوا کسی قیمت پر نہ بیچنا۔"

امام علیہ السلام کے کلمات کا بیشتر حصہ زہد پر مشتمل ہے، اس میں سے زیادہ تر معارف پر مبنی ہے البتہ آپ علیہ السلام نے معارف کو دعا کے لباس میں پیش کیا ہے، کیونکہ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس وقت کا گھٹن زدہ ماحول اور نامساعد حالات اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ امام سجاد علیہ السلام عوام الناس سے کھل کر صاف الفاظ میں گفتگو کرسکیں۔ نہ صرف یہ کہ حکومت کے ایجنٹ اس سلسلہ میں رکاوٹ تھے بلکہ عوام بھی اس کے لئے تیار نہ تھے۔ دراصل وہ معاشرہ ایک نالائق، تباہ شدہ اور ناکارہ معاشرہ تھا جس کی نئے سرے سے تعمیر واصلاح کی ضرورت تھی۔

امام علیہ السلام کی زندگی کے ۳۴، ۳۵ سال (۶۱ ھ سے ۹۵ ھ تک) اسی کوشش میں صرف ہوئے۔ البتہ دھیرے دھیرے حالات سدھر رہے تھے۔ لہٰذا امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی اسی حدیث میں جہاں یہ فرمایا تھا کہ:

"ارْتَدَّ النَّاسُ بَعْدَ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَام۔۔۔"

وہیں آگے بڑھ کر آپ علیہ السلام یہ فرماتے ہیں:

"ثُمَّ إِنَّ النَّاسَ لَحِقُوا وَ كَثُرُوا". [1]

پھر لوگ (اہل بیت علیہم السلام سے) ملحق ہوتے گئے اور ان کی تعداد بڑھتی گئی۔

اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہی حقیقت ہے۔

چنانچہ جب امام محمد باقر علیہ السلام کا زمانہ آتا ہے (جس کی تفصیل ہم بعد میں عرض کریں گے) تو حالات بدل چکے ہوتے ہیں اور یہ سید سجاد علیہ السلام کی ۳۵ سال کی زحمتوں کا نتیجہ تھا۔

---

[1] الاختصاص/ النص/ 64/ خزیمۃ بن ثابت..... ص:64

باصلاحیت افراد کی تیاری پر توجہ

امام سجاد علیہ السلام کے کلمات میں باصلاحیت افراد کی تربیت اور اعوان وانصار کی فراہمی پر بھی خاص توجہ نظر آتی ہے۔ تحف العقول میں امام علیہ السلام کے طویل کلام کے چند فقرات نقل ہوئے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس طرح کے نمونے دوسری کتابوں میں تلاش کرنے کے لئے وقت نہ نکال سکا۔ ویسے میرا گمان یہی ہے کہ (اس طرح کے دوسرے طویل کلام (ملنا مشکل ہے اور ہوئے بھی تو زیادہ نہ ہوں گا۔ البتہ چھوٹے چھوٹے فقرے کافی مل جائیں گے۔

ایسی طویل اور مفصل حدیثیں جو تحف العقول میں امام سجاد علیہ السلام سے نقل کی گئی ہیں اور جن کی تعداد دو تین تک پہنچتی ہے میرے خیال میں کہیں اور مل نہیں سکیں گی۔ ان احادیث کا لب ولہجہ اور انداز خطابت خود اس کام کی نشاندہی کرتا ہے جو امام زین العابدین علیہ السلام انجام دے رہے تھے۔ ان تین میں سے ایک حدیث یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس کے مخاطب عوام ہیں چنانچہ اس کا آغاز "ایھا الناس" (اے لوگو) سے ہوا ہے اور اس میں لوگوں کو معارف اسلامی کی یاد دہانی کرائی گئی ہے۔

اس مفصل حدیث میں حضرت علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب انسان کو قبر کے حوالے کر دیا جاتا ہے تو اس سے اس کے رب کے بارے میں سوال ہوتا ہے، اس کے پیغمبر کے بارے میں سوال ہوتا ہے، اس کے دین کے بارے میں سوال ہوتا ہے، اس کے امام کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔ امام علیہ السلام کا یہ ہلکا پھلکا طرز تخاطب دراصل اپنے حلقہ تبلیغ میں آنے والے عوام کے لئے

ہے۔لیکن ایک دوسری حدیث اس سے بالکل مختلف الفاظ میں شروع ہوتی ہے جو بتاتی ہے کہ وہ خواص سے مربوط ہے۔فرماتے ہیں:

"كَفَانَا اللهُ وَ إِيَّاكُمْ كَيْدَ الظَّالِمِينَ وَ بَغْيَ الْحَاسِدِينَ وَ بَطْشَ الْجَبَّارِينَ أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الطَّوَاغِيتُ"[۱]

"ظالموں کے دھوکے، حاسدوں کی جفا اور جباروں کے دبدبے سے ہمیں اور تمہیں خدا بچانے والا ہے، دیکھو طاغوت تمہیں دھوکہ نہ دے جائیں۔"

یقیناً یہ لب ولہجہ عام لوگوں سے مربوط نہیں ہوسکتا ہے، اس کے مخاطب کچھ مخصوص افراد ہیں۔

ایک تیسری قسم کا کلام بھی ہے جس کے مطالب کے بعض حصوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخصوص ترین اور انتہائی چنیدہ اشخاص سے متعلق ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کے مخاطب وہی افراد ہیں جو امام علیہ السلام کے اسرار ورموز اور آپ علیہ السلام کی بامقصد جدوجہد سے واقفیت رکھتے تھے اور جن کا شمار سید سجاد علیہ السلام کے محرمان راز میں ہوتا تھا۔ یہاں اپنے ان ہی مخصوص دوستوں سے خطاب کرتے ہوئے امام علیہ السلام کہتے ہیں:

"إِنَّ عَلَامَةَ الزَّاهِدِينَ فِي الدُّنْيَا الرَّاغِبِينَ فِي الْآخِرَةِ تَرْكُهُمْ كُلَّ خَلِيطٍ وَ خَلِيلٍ وَ رَفْضُهُمْ كُلَّ صَاحِبٍ لَا يُرِيدُ مَا يُرِيدُون."[۲]

"دنیا سے بے رغبتی اور آخرت میں رغبت رکھنے والوں کی علامت یہ ہے کہ وہ ہر ایسے شریک اور دوست کو ترک کر دیتے ہیں اور ہر اس ساتھ چلنے والے کو چھوڑ دیتے ہیں جو وہ نہیں چاہتا جو یہ چاہتے ہیں۔"

---

[۱] الکافی (ط-الاسلامیۃ) / ج 8 / 15 / صحیفۃ علی بن الحسین ع وکلامہ فی الزہد..... ص:14
[۲] تحف العقول / النص / 272 / ومن کلامہ ع فی الزہد..... ص:272

ان تمام کلمات کی روشنی میں یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ امام علیہ السلام اس طویل مدت میں یا تو ادوار کے اختلاف کے لحاظ سے یا جن افراد سے آپ علیہ السلام مخاطب ہوتے تھے ان کی صلاحیتوں کے اعتبار سے تعلیمات کے دو تین مرحلے یا انداز اپناتے تھے، کبھی اس انداز سے گفتگو کرتے تھے کبھی اس انداز سے، کبھی حکومت کی مشینری اور وقت کے طاغوتوں کے بارے میں اظہار خیال فرماتے تھے اور کبھی دین اسلام کے کلی و بنیادی مسائل بیان کرنے پر اکتفا کرتے تھے۔

یہ امام سجاد علیہ السلام کی زندگی کا ایک مختصر سا خاکہ ہے۔ حضرت علیہ السلام اپنی عمر کے آخری ۳۵ برسوں میں ایسے تاریک و ظلمت زدہ ماحول کے مارے ہوئے افراد کو ایک طرف تو آہستہ آہستہ حیوانی شہوات کے چنگل سے نجات دلاتے ہیں دوسری طرف ظلم و جبر کے تسلط اور دربار سے وابستہ علمائے سوء کی کمندوں سے انہیں آزادی عطا کرتے ہیں۔ چنانچہ مجموعی طور پر صالح اور مخلص مومنین کی ایک ایسی جماعت آمادہ و تیار کرتے ہیں جو مستقبل کی ذمہ داریوں کو اپنے دوش پر سنبھال سکے۔ البتہ امام سجاد علیہ السلام کی زندگی کی جزئیات سے بحث کے لئے علیحدہ سے کئی گھنٹے درکار ہیں اور میں گھنٹوں اس موضوع پر گفتگو کر بھی چکا ہوں اور اس وقت اس سے زیادہ بحث کی گنجائش نظر نہیں آتی۔

امام محمد باقر علیہ السلام کا عہد

اب امام محمد باقر علیہ السلام کا دور آتا ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام میں بھی ہم اسی طریقہ کار کا مشاہدہ کرتے ہیں، جس پر امام سجاد علیہ السلام گامزن ہیں۔ اب حالات نسبتاً کچھ بہتر ہو چکے ہیں چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام بھی معارف اسلامی اور تعلیمات دینی پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ اب لوگ خاندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے پہلے جیسی بے اعتنائی و سرد مہری نہیں برتتے لہٰذا جب امام علیہ السلام مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو کچھ لوگ ہمیشہ ان کے اردگرد حلقہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور آپ علیہ السلام سے مستفید ہوتے ہیں۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو مسجد مدینہ میں اس عالم میں دیکھا کہ خراسان کے دور دراز علاقوں اور دوسرے مقامات سے تعلق رکھنے والے افراد آپ علیہ السلام کے چاروں طرف جمع تھے۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ تبلیغات کا اثر اب کسی موج کی مانند پوری اسلامی دنیا میں پھیل رہا تھا اور دور دور کے لوگ اہل بیت علیہم السلام سے نزدیک ہو رہے تھے۔

ایک دوسری روایت یوں ہے:

> اہل خراسان آپ علیہ السلام کو اپنے گھیرے میں لئے بیٹھے تھے اور حضرت علیہ السلام ان لوگوں سے حلال وحرام سے متعلق گفتگو فرما رہے تھے۔

اس وقت کے بڑے بڑے علماء آپ علیہ السلام سے درس لیتے اور مستفید ہوتے تھے۔ عکرمہ جیسی مشہور و معروف شخصیت جو ابن عباس کے شاگردوں میں سے تھے جس وقت امام علیہ السلام

کی خدمت میں پہنچتے ہیں تا کہ آپ علیہ السلام سے حدیث سنیں تو ان کے ہاتھ پاؤں میں ایک تھرتھری سی پڑ جاتی ہے اور امام علیہ السلام کی آغوش میں گر پڑتے ہیں۔ بعد میں اپنی اس حالت پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے عکرمہ کہتے ہیں:

میں نے ابن عباس جیسے بزرگ کی خدمت میں حاضری دی ہے اور ان سے حدیث بھی سنی ہے، مگر اے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کی خدمت میں پہنچ کر میری جو کیفیت ہوئی اس حالت سے میں کبھی بھی دو چار نہیں ہوا تھا۔

ملاحظہ فرمائیں جواب میں حضرت علیہ السلام کیسے دوٹوک الفاظ میں فرماتے ہیں:

"وَيْلَكَ يَا عُبَيْدَ أَهْلِ الشَّامِ إِنَّكَ بَيْنَ يَدَيْ بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ." [1]

"اے اہل شام (حکومت) کے بندہ بے دام! اس وقت تو ایک معنوی عظمت کے روبرو کھڑا ہے یہی وجہ ہے کہ تیرے ہاتھ پاؤں تیرے قابو میں نہیں ہیں۔"

ابوحنیفہ جیسی شخصیت جن کا اپنے دور کے صاحب نظر فقہا میں شمار ہوتا ہے، احکام دین اور معارف اسلامی کی تحصیل کے لئے امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دیتی نظر آتی ہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے دوسرے بڑے بڑے علماء کے نام حضرت علیہ السلام کے شاگردوں کی طویل فہرست میں نظر آتے ہیں۔

حضرت علیہ السلام کا علمی شہرہ اطراف و اکناف عالم تک پہنچ چکا تھا اسی وجہ سے آپ علیہ السلام باقر العلوم کے نام سے مشہور ہوئے۔

پس آپ نے دیکھا کہ امام محمد باقر علیہ السلام کے زمانہ میں معاشرے کی حالت کس قدر بدل گئی تھی اور ائمہ علیہم السلام کے بارے میں لوگوں کے محبت و احترام کے جذبات میں کس قدر اضافہ

---

[1] مناقب آل أبي طالب عليهم السلام (لابن شهرآشوب) / ج 4 / 182 / فصل في آياته ع..... ص:181

ہوگیا تھا۔ اسی نسبت سے امام محمد باقر علیہ السلام کی سیاسی جدوجہد میں بھی تیزی نظر آتی ہے۔ یعنی عبدالملک بن مروان کے مقابلہ میں امام سجاد علیہ السلام کا کوئی سخت اور درشت کلام اور کوئی ایسا جملہ نہیں ملتا جسے آپ علیہ السلام کی طرف سے اس کی مخالفت کی علامت کہا جا سکے۔ اگر عبدالملک سید سجاد علیہ السلام کو کسی موضوع پر خط لکھتا ہے اور حضرت علیہ السلام اس کا جواب دیتے ہیں تو اگر چہ فرزند نبی علیہ السلام کا جواب ہمیشہ ہر رخ سے محکم و متین اور دندان شکن ہوتا ہے پھر بھی اس خط میں اس کی کوئی صریح مخالفت اور اعتراض دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن امام محمد باقر علیہ السلام کا مسئلہ دوسرے ہی انداز کا ہے۔ آپ علیہ السلام کا طرز عمل ایسا ہے کہ اس کے سامنے ہشام بن عبدالملک خوف و وحشت محسوس کرتا ہے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ امام علیہ السلام پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ وہ آپ علیہ السلام کو شام لے جانا چاہتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سید سجاد علیہ السلام کو بھی آپ علیہ السلام کی امامت کے دوران (حادثہ کربلا اور اسیری اہل حرم کے بعد دوبارہ (قید کر کے پا بہ زنجیر شام لے جایا گیا ہے لیکن وہ دوسری نوعیت تھی اور سید سجاد علیہ السلام ہمیشہ بڑا ہی محتاط طرز عمل اپناتے تھے جبکہ امام محمد باقر علیہ السلام کی گفتگو کا لہجہ سخت تر نظر آتا ہے۔

میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کی اپنے اصحاب کے ساتھ گفتگو پر مشتمل چند روایتیں دیکھی ہیں جن میں امام علیہ السلام حکومت اور خلافت و امامت کے لئے انہیں آمادہ کرتے ہیں حتیٰ انہیں مستقبل قریب کے لئے خوشخبری دیتے نظر آتے ہیں، ان میں سے ایک روایت بحارالانوار میں اس مضمون کے ساتھ نقل کی گئی ہے:

> حضرت ابی جعفر (امام محمد باقر علیہ السلام) کا در دولت لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ ایک بوڑھا شخص عصا ٹیکتا ہوا آتا ہے اور سلام و اظہار محبت کے بعد حضرت کے نزدیک بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے:

”خدا کی قسم! میں آپ کو دوست رکھتا ہوں اور اس کو بھی دوست رکھتا ہوں جو آپ کو دوست رکھتا ہے، اور خدا کی قسم یہ دوستی دنیاوی مفادات کی لالچ کی خاطر نہیں ہے اور بے شک میں آپ کے دشمنوں سے بغض رکھتا ہوں اور ان سے برأت چاہتا ہوں، اور بے شک میں آپ کے دشمنوں ان سے ذاتی عداوت یا بدلہ کے باعث نہیں ہے۔

خدا کی قسم! میں نے اس شئے کو حلال سمجھا ہے جس کو آپ نے حلال قرار دیا ہے اور اس کو حرام سمجھا ہے جس کو آپ نے حرام قرار دیا ہے، میں آپ کے امر کا منتظر ہوں۔ پس میں آپ پر فدا ہو جاؤں کیا میں اپنی آنکھوں سے آپ کی کامیابی کے دن دیکھ سکوں گا؟“

اس روایت میں آخری جملہ غور طلب ہے، آنے والا امام علیہ السلام سے سوال کرتا ہے:

کیا آپ علیہ السلام یہ سمجھتے ہیں کہ میں اپنی آنکھوں سے آپ علیہ السلام کی کامیابی کے دن دیکھ سکوں گا؟ کیونکہ میں آپ علیہ السلام کے امر، یعنی آپ علیہ السلام کی حکومت دیکھنے کا منتظر ہوں۔ اس دور میں امر یا **ھذا الامر** یا **امرکم** کی تعبیریں حکومت کے معنی میں استعمال ہوتی تھیں۔ اس طرح کی تعبیر کیا ائمہ علیہ السلام اور ان کے اصحاب اور کیا ان کے مخالفین ہر ایک کے درمیان ان ہی معنوں میں مستعمل تھیں۔ مثلاً مامون رشید سے گفتگو کرتے ہوئے ہارون کہتا ہے:

واللہ لو تنازعت معی فی ھذا الامر.

بخدا اس امر خلافت کے سوا ان سے ہمارا کوئی تنازع نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ یہاں ”**ھذا الامر**“ سے خلافت و امامت ہی مراد ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا روایت میں ”**انتظر امرکم**“ کا مطلب امام کی حکومت وخلافت کا انتظار ہے۔

بہرحال وہ شخص سوال کرتا ہے کہ مولا! کیا آپ علیہ السلام کو امید ہے کہ میں اس وقت تک

زندہ رہوں گا اور آپ علیہ السلام کی حکومت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں گا؟

امام علیہ السلام نے اس کو اپنے قریب بلایا اور اپنے پہلو میں جگہ عنایت فرمائی، پھر فرمایا:

"أَيُّهَا الشَّيْخُ إِنَّ أَبِي عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ ع أَتَاهُ رَجُلٌ فَسَأَلَهُ عَنْ مِثْلِ الَّذِي سَأَلْتَنِي عَنْهُ" [1]

"اے شیخ علی بن الحسین علیہ السلام کے پاس ایک شخص آیا تھا اور اس نے بھی ان سے یہی سوال کیا تھا جو تو نے مجھ سے کیا ہے۔"

البتہ مجھے سید سجاد علیہ السلام سے مروی روایتوں میں یہ سوال نہیں مل سکا۔ چنانچہ اگر سید سجاد علیہ السلام کے سامنے اس قسم کی گفتگو مجمع عام میں ہوئی ہوتی تو دوسرے بھی اس سے واقف ہوتے اور بات ہم تک بھی ضرور پہنچتی لہٰذا گمان غالب ہے کہ امام سجاد علیہ السلام نے جو بات رازدارانہ طور پر فرمائی ہے۔ یہاں امام محمد باقر علیہ السلام نے وہی بات علی الاعلان ارشاد فرمائی ہے۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

"إِنْ تَمُتْ تَرِدُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ، وَ عَلَى عَلِيٍّ وَ الْحَسَنِ وَ الْحُسَيْنِ وَ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، وَ يَثْلَجُ قَلْبُكَ، وَ يَبْرُدُ فُؤَادُكَ، وَ تَقَرُّ عَيْنُكَ، وَ تُسْتَقْبَلُ بِالرَّوْحِ وَ الرَّيْحَانِ مَعَ الْكِرَامِ الْكَاتِبِينَ، لَوْ قَدْ بَلَغَتْ نَفْسُكَ هَاهُنَا- وَ أَهْوَى بِيَدِهِ إِلَى حَلْقِهِ- وَ إِنْ تَعِشْ تَرَى مَا يُقِرُّ اللهُ بِهِ عَيْنَكَ، وَ تَكُونُ مَعَنَا فِي السَّنَامِ الْأَعْلَى" [2]

پس امام علیہ السلام اس صحابی کو مایوس نہیں کرتے، فرماتے ہیں: اگر موت آ گئی تو پیغمبر

---

[1] الکافی (ط-الاسلامیہ) / ج 8 / 76 / حدیث الشیخ مع الباقر ع..... ص:76
[2] کافی (ط-دارالحدیث) / ج 15 / 191 / حدیث الشیخ مع الباقر علیہ السلام..... ص:190

اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولیائے کرام کی ملاقات سے شرفیاب ہوگے اور اگر زندہ رہے تو ہمارے ساتھ رہوگے۔

امام محمد باقر علیہ السلام کے کلام میں اس طرح کی تعبیریں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام اپنے شیعوں کو مستقبل کے بارے میں پر امید رکھنا چاہتے ہیں۔ کافی میں نقل ہونے والی ایک روایت میں قیام کے لئے وقت کا تعین بھی ہوا ہے اور بظاہر یہ چیز بڑی عجیب سی لگتی ہے:

الثُّمَالِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَام يَقُولُ يَا ثَابِتُ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى قَدْ كَانَ وَقَّتَ هَذَا الْأَمْرَ فِي السَّبْعِينَ فَلَمَّا أَنْ قُتِلَ الْحُسَيْنُ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ اشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى أَهْلِ الْأَرْضِ فَأَخَّرَهُ إِلَى أَرْبَعِينَ وَ مِائَةٍ فَحَدَّثْنَاكُمْ فَأَذَعْتُمُ الْحَدِيثَ فَكَشَفْتُمْ قِنَاعَ السَّتْرِ وَ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ بَعْدَ ذَلِكَ وَقْتاً عِنْدَنَا وَ يَمْحُوا اللَّهُ ما يَشاءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَهُ أُمُّ الْكِتابِ." [1]

"خداوند عالم نے ۷۰ھ کو حکومت علوی کی تشکیل کے لئے مقدر فرمایا تھا لیکن امام حسین علیہ السلام کے قتل نے خداوند عالم کو لوگوں سے اتنا ناراض کر دیا کہ اس نے اس وقت کو ۱۴۰ھ تک ملتوی کر دیا اور پھر ہم نے تم کو اس وقت کی خبر دی اور تم نے اس کو افشاء کر دیا اور پردہ راز کو اس سے اٹھا دیا لہٰذا اب پروردگار عالم نے ہم کو اس وقت کی کوئی خبر نہیں دی ہے اور خدا کسی بھی چیز کے بارے میں جیسا چاہتا ہے محو یا اثبات کر دیتا ہے، دفتر تقدیر اسی کے پاس ہے۔"

ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں:

---

[1] الکافی (ط-الاسلامیۃ) / ج1 / 368 / باب کراہیۃ التوقیت..... ص:368

"فَحَدَّثْتُ بِذَلِكَ أَبَا عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ قَدْ كَانَ كَذَلِكَ." [1]

"میں نے امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیا، آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں ایسا ہی تھا۔"

۱۴۰ ھ امام صادق علیہ السلام کی زندگی کے اواخر کا سال تھا۔ اور یہ وہی چیز ہے جو اس حدیث مبارکہ کے دیکھنے سے قبل ہی ائمہ علیہم السلام کے حالات زندگی سے میں نے اخذ کر لی تھی۔ چنانچہ میری نظر میں وہ ممکنہ حکومت جس کے لئے امام سجاد علیہ السلام نے اس انداز سے اور امام محمد باقر علیہ السلام نے اس دوسرے طریقے سے جدوجہد کی اصولی طور پر امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے میں قائم ہوجانی چاہئے تھی کیونکہ امام صادق علیہ السلام کی شہادت ۱۴۸ ھ میں ہوئی ہے اور خدا کی طرف سے تاسیس حکومت کا وعدہ ۱۴۰ ھ کے لئے تھا اور ۱۴۰ ھ کی اہمیت ۱۳۵ ھ کے بعد کے دنوں کی اہمیت کے ذیل میں ہمارے پیش کئے گئے مفروضہ برسر اقتدار نہ آتا اور بنوعباس کی حکومت نہ بنتی تو حالات یقیناً کچھ اور ہوتے۔ گویا حالات کے تحت تقدیر الٰہی یہی تھی کہ ۱۴۰ ھ میں ایک الٰہی اسلامی حکومت قائم ہوجانی چاہئے تھی۔

اب یہ ایک دوسری بحث ہے کہ آیا اس آئندہ کے سلسلہ میں خود ائمہ علیہم السلام کی بھی توقعات بندھی ہوئی تھیں اور وہ اس دن کے منتظر تھے یا یہ کہ وہ پہلے سے جانتے تھے کہ قضاء الٰہی کچھ اور ہی ہے؟ فی الحال ہم اس بحث کو چھیڑنا نہیں چاہتے ممکن ہے ایک دوسرے مستقبل باب میں اس پر بحث کی جائے۔ سردست ہماری بحث امام محمد باقر علیہ السلام کے حالات کے سلسلہ میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے واضح الفاظ میں تصریح کی تھی کہ ۱۴۰ ھ حکومت الٰہی کی تشکیل کے لئے معین تھا لیکن چونکہ ہم نے اس کی تم کو خبر دے دی اور تم اس کو پردہ راز میں نہ رکھ سکے لہٰذا خداوند عالم نے اس میں تاخیر کر دی۔ اس طرح کی امید بندھانا اور وعدے کرنا امام محمد باقر علیہ السلام کے دور کا اہم

[1] الکافی (ط-الاسلامیۃ) / ج1 / 368 / باب کراہیۃ التوقیت..... ص:368

امتیاز ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں گھنٹوں بحث کی ضرورت ہے تاکہ آپ علیہ السلام کی زندگی کی تصویر واضح ہو سکے۔ میں اس سلسلے میں بھی طولانی بحثیں کر چکا ہوں۔ مختصر یہ کہ حضرت علیہ السلام کی زندگی میں سیاسی جدوجہد کا عنصر بالکل واضح ہے، البتہ آپ علیہ السلام گرم مسلح جدوجہد کے حق میں نہ تھے۔ چنانچہ جب آپ علیہ السلام کے بھائی زید ابن علی آپ علیہ السلام سے مشورہ کرتے ہیں تو حضرت علیہ السلام انہیں قیام سے منع فرماتے ہیں اور جناب زید آپ علیہ السلام کی اطاعت کرتے ہوئے خاموش ہو جاتے ہیں۔

یہ جو دیکھنے میں آتا ہے کہ کچھ لوگ جناب زید کی اہانت پر اتر آتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے تو انہیں قیام سے منع کیا تھا پھر بھی جناب زید اٹھ کھڑے ہوئے اور امام علیہ السلام کی اطاعت نہیں کی، یہ ایک غلط تصور ہے۔ جب امام محمد باقر علیہ السلام نے جناب زید کو قیام سے منع فرمایا تو انہوں نے امام علیہ السلام کی اطاعت کی اور قیام نہ کیا۔ پھر جب امام صادق علیہ السلام کا دور آیا تو انہوں نے امام صادق علیہ السلام سے مشورہ کیا اور امام علیہ السلام نے نہ صرف قیام سے منع نہیں فرمایا بلکہ اس سلسلے میں ان کی حوصلہ افزائی بھی کی۔ یہی وجہ ہے کہ جناب زید کی شہادت کے بعد امام صادق علیہ السلام آرزو کرتے ہیں کہ کاش میں بھی زید کے ساتھیوں میں ہوتا۔ لہٰذا جناب زید کے ساتھ یہ اہانت آمیز برتاؤ کسی طور درست نہیں ہے۔

بہرحال! امام محمد باقر علیہ السلام نے مسلح قیام کیوں قبول نہ کیا لیکن آپ علیہ السلام کی زندگی میں سیاسی ٹکراؤ واضح طور پر نظر آتا ہے اور اسے آپ علیہ السلام کی سیرت سے سمجھا جا سکتا ہے جبکہ سید سجاد علیہ السلام کی زندگی میں واضح سیاسی ٹکراؤ کا احساس نہیں ہوتا۔

جب اس عظیم ہستی کا دور حیات آخری منزلوں پر پہنچنے لگتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت اپنی سیاسی جدوجہد کو میدان منیٰ میں عزاداری کے ذریعے جاری رکھتے ہیں۔ آپ علیہ السلام

وصیت کرتے ہیں کہ دس برس تک منیٰ میں آپ علیہ السلام پر گریہ کیا جائے۔

یہ دراصل اسی سیاسی جدوجہد کو جاری رکھنے کا ایک طریق ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام کی زندگانی میں عام طور پر امام حسین علیہ السلام پر گریہ کے سلسلہ میں حکم ملتا ہے چنانچہ اس ذیل میں مسلمہ روایات موجود ہیں لیکن اور کسی کے سلسلہ میں مجھے یاد نہیں کہ اس طرح کا حکم دیا گیا ہو سوائے اس کے کہ امام رضا علیہ السلام کے بارے میں اتنا ملتا ہے کہ جب آپ علیہ السلام وطن سے رخصت ہونے لگے تو اپنے اہل خاندان کو جمع کیا تا کہ آپ علیہ السلام پر گریہ کریں اور یہ اقدام مکمل طور پر سیاسی مقصد کا حامل ہے۔ البتہ یہ امام علیہ السلام کی رحلت سے قبل کا واقعہ ہے۔ (امام حسین علیہ السلام کے سوا) محض امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت کے بعد گریہ کا حکم نظر آتا ہے اور امام علیہ السلام وصیت کرتے ہیں اور اپنے مال میں سے آٹھ سو درہم دیتے ہیں کہ ان کے ذریعہ منیٰ میں یہ عمل انجام دیا جائے۔

منیٰ عرفات و مشعر بلکہ خود مکہ سے بھی مختلف جگہ ہے۔ مکہ میں حاجی متفرق رہتے ہیں، ہر شخص اپنے اپنے کام میں مشغول ہوتا ہے۔ عرفات کا قیام زیادہ سے زیادہ صبح سے عصر تک رہتا ہے۔ صبح لوگ تھکے ماندے پہنچتے ہیں اور عصر کے وقت واپسی کی جلدی رہتی ہے تا کہ اپنا کام انجام دے سکیں۔ مشعر میں رات کے وقت چند گھنٹوں کا قیام رہتا ہے اس کی حیثیت منیٰ جاتے ہوئے ایک گزرگاہ کی سی ہے۔ لیکن منیٰ میں مسلسل تین راتیں، گزارنی ہوتی ہیں۔ ایسے بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو اس دوران میں مکہ چلے جاتے ہوں اور رات کو منیٰ لوٹ آتے ہیں۔

زیادہ تر لوگ وہیں ٹھہرتے ہیں۔ خاص طور سے اس زمانے میں جبکہ وسائل سفر بھی آسانی سے مہیا نہ ہوتے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت عالم اسلام کے مختلف گوشوں سے تعلق رکھنے والے ہزاروں افراد تین شبانہ روز ایک ہی جگہ جمع رہتے تھے۔ ہر شخص با آسانی درک کر سکتا ہے کہ تبلیغات کے لئے اس سے بہتر کوئی دوسری جگہ نہیں مل سکتی۔ جو پیغام بھی پورے عالم اسلام

میں پہنچانا مقصود ہو وہ یہاں سے بخوبی نشر کیا جا سکتا ہے۔خصوصاً اس دور میں جبکہ آج کی طرح ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات یا اسی طرح کے دوسرے ذرائع ابلاغ موجود نہ تھے۔

جب کچھ لوگ اولاد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ایک فرد پر گریہ وزاری کرتے نظر آتے، تو لازماً وہاں موجود لوگوں کے دلوں میں سوال اٹھتا کہ ان لوگوں کی اشک ریزی کا کیا سبب ہے؟ کسی مرنے والے پر اتنی مدت تک اس شدت کے ساتھ گریہ وزاری نہیں ہوتی، کیا اس متوفی پر کوئی ظلم ہوا ہے؟ کیا اسے ظالموں نے قتل کیا ہے؟ کس نے اس پر ظلم کیا ہے؟۔۔۔اس طرح کے بے شمار سوالات لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتے۔اور یہ ایک انتہائی گہرا، سوچا سمجھا اور جچا تلا سیاسی اقدام ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام کی سیاسی زندگی کا مطالعہ کرتے وقت ایک اور نکتہ کی طرف میری توجہ مبذول ہوئی اور وہ یہ کہ اپنی خلافت کے حق میں استدلال کا جو طریقہ پہلی صدی ہجری کے نصف اول میں اہل بیت علیہم السلام کی زبان پر جاری رہا ہے امام محمد باقر علیہ السلام بھی اسی کی تکرار کرتے نظر آتے ہیں۔اس استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کے عرب ہونے کی وجہ سے عرب عجم پر فخر کرتے ہیں، آنحضرت کی قربت کی وجہ سے قریش غیر قریش پر فخر کرتے ہیں۔اگر ان لوگوں کا فخر کرنا صحیح ہے تو ہم تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان اور اولاد سے ہیں لہٰذا سب پر اولویت رکھتے ہیں، اس کے باوجود ہم کو اس حق سے محروم کر کے دوسرے اپنے آپ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت کا وارث قرار دیئے بیٹھے ہیں۔اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربت قریش کے غیر قریش پر اور عرب کے غیر عرب پر امتیاز و افتخار کی وجہ ہے تو یہ دوسروں پر ہماری برتری اور اولویت کو بھی ثابت کرتی ہے۔یہ وہ استدلال ہے جو ابتدائی دور میں بارہا اہل بیت علیہم السلام کی زبان سے بیان ہوا ہے اور اب دوبارہ ۹۵ھ سے ۱۱۴ھ کے درمیان امام محمد باقر علیہ السلام اپنے عہد امامت میں ان کلمات کی تکرار فرماتے ہیں۔اور اپنی خلافت کے لئے اس استدلال کو سامنے لانا بڑی معنویت رکھتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا دور

امام محمد باقر علیہ السلام کا دور بھی ختم ہوا اور ۱۱۴ھ سے امام جعفر صادق علیہ السلام کی امامت شروع ہوئی اور ۱۴۸ھ تک جاری رہی۔ امام صادق علیہ السلام نے اس مدت میں دو مرحلے طے کئے۔ ایک مرحلہ ۱۱۴ھ تا ۱۳۵ھ تک یعنی بنی عباس کے غلبہ یا منصور دوانیقی کی خلافت تک۔ اس دور کو آسودگی اور سکون کا دور کہا جا سکتا ہے اور اسی کے بارے میں معروف ہے کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے درمیان نزاع و چپقلش کی وجہ سے ائمہ علیہم السلام کو شیعی تعلیمات کی تبلیغ کا موقع میسر آیا۔ اور یہ اسی دور سے مخصوص ہے، امام محمد باقر علیہم السلام کے دور میں یہ صورت نہیں تھی بلکہ وہ بنی امیہ کی طاقت و قدرت کا زمانہ تھا اور ہشام بن عبدالملک کی حکومت تھی جس کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ

وکان ھشام رجلھم

چنانچہ شاہان بنی امیہ میں عبدالملک بن مروان کے بعد ہشام بن عبدالملک طاقتور شخصیت کا مالک تھا جو امام محمد باقر علیہ السلام کے عہد تخت حکومت پر براجمان تھا۔ لہٰذا امام محمد باقر علیہ السلام کے زمانے میں کسی کا کسی کے ساتھ کوئی ایسا اختلاف و تنازعہ بظاہر رونما نہیں ہوا کہ اس موقع سے امام علیہ السلام استفادہ کر سکتے۔ تمام داخلی جنگیں اور سیاسی اختلافات امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور سے مخصوص ہیں اور وہ بھی اس ابتدائی دور سے مخصوص ہیں جب بنی عباس کی دعوت بھی پوری اسلامی دنیا میں اوج پر نظر آتی ہے۔ فی الحال یہاں ان باتوں کی تشریح کا موقع نہیں ہے۔

جس وقت امام صادق علیہ السلام مسند امامت پر متمکن ہوتے ہیں پوری اسلامی دنیا افریقہ، خراسان، فارس، ماوراء النہر الغرض مختلف اسلامی علاقوں میں باہمی جنگوں اور محاذ آرائی کا بازار گرم تھا۔ بنی امیہ کی حکومت کو شدید مشکلات کا سامنا تھا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنی تبلیغ کے لئے وہی تین نقطے محور و مرکز قرار دیئے جن کی جانب ہم سید سجاد علیہ السلام کی

زندگی کے بارے میں گفتگو کے دوران اشارہ کر چکے ہیں۔

یعنی معارف اسلامی، مسئلہ امامت، نیز اس کا اہل بیت علیہم السلام سے مخصوص ہونا۔

امام صادق علیہ السلام کی حیات کے پہلے مرحلے میں خاص طور پر اس مذکورہ تیسرے عنصر کا مشاہدہ صاف طور پر کیا جاسکتا ہے۔ اس کا ایک نمونہ عمرو بن ابی المقدوم کی یہ روایت ہے کہتے ہیں:

"رَأَيْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَام يَوْمَ عَرَفَةَ بِالْمَوْقِفِ وَ هُوَ يُنَادِي بِأَعْلَى صَوْتِهِ"

حضرت عرفات میں لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر عظیم اجتماع میں با آواز بلند خطاب فرماتے ہیں اور ایک ہی جملہ کبھی اس طرف رخ کر کے اور کبھی اس طرف رخ کر کے ہر چہار طرف تین تین مرتبہ تکرار فرماتے ہیں اور وہ جملہ یہ تھا:

"أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْإِمَامَ ثُمَّ كَانَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ثُمَّ الْحَسَنُ ثُمَّ الْحُسَيْنُ ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ ثُمَّ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَام ثُمَّ هَهْ فَيُنَادِي ثَلَاثَ مَرَّاتٍ لِمَنْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ عَنْ يَمِينِهِ وَ عَنْ يَسَارِهِ وَ مِنْ خَلْفِهِ اثْنَيْ عَشَرَ صَوْتاً" [1]

"اے لوگو! یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام تھے، پھر آپ کے بعد علی ابن ابی طالب، پھر حسن، پھر حسین، پھر علی ابن الحسین، پھر محمد ابن علی اور اس کے بعد "ھہ" (یعنی میں)۔۔۔ مجموعا بارہ مرتبہ آپ نے ان جملوں کی تکرار فرمائی۔

راوی کہتا ہے: میں نے سوال کیا اس (ھہ) سے کیا مراد ہے؟

کہتے ہیں: بنی فلاں کی لغت میں، یعنی میں۔ اس سے کنایہ خود حضرت علیہ السلام کی طرف

[1] الکافی (ط-الاسلامیۃ) / ج4 / 466 / باب الوقوف بعرفۃ وحد الموقف..... ص:463

ہے یعنی محمد بن علی علیہ السلام کے بعد میں امام ہوں۔"

اس کلمہ میں لفظ امام کا استعمال قابل توجہ ہے اور یہ اس حقیقت کی طرف نشاندہی کرتا ہے کہ امام علیہ السلام اس طرح عوام کے ذہن کو امامت کی حقیقت سے روشناس کرتے ہوئے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آیا وہ لوگ جو برسر اقتدار ہیں امامت کے سزاوار ہیں یا نہیں؟

دوسرا نمونہ یہ ہے:

"قَالَ: قَدِمَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ إِلَى خُرَاسَانَ فَدَعَا النَّاسَ إِلَى وَلَايَةِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَام" [1]

"ایک شخص مدینہ سے خراسان پہنچتا ہے اور لوگوں کو جعفر ابن محمد کی ولایت (یعنی حکومت) کی طرف دعوت دیتا ہے۔"

آپ دیکھئے ایران میں اسلامی انقلاب کی تحریک کے دوران وہ وقت کب آیا جب ہم کھل کر جمہوری اسلامی یا حکومت اسلامی کی بات کر سکیں؟ ہم لوگ اس پوری تحریک اور جدوجہد کے دوران برسوں تک زیادہ حکومت کے سلسلہ میں اسلامی نظریات کی گفتگو کر پاتے تھے۔ یعنی بہت ہوا تو یہ کہہ دیا کہ حکومت کے بارے میں اسلام نے کیا اصول وضوابط پیش کئے ہیں اور حاکم کو کن شرائط کا حامل ہونا چاہئے۔ بس اس سے زیادہ ہم اور کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ حکومت اسلامی کی تشکیل کی دعوت دینے یا کسی خاص شخص کا حاکم کے طور پر نام لینے کی نوبت نہیں آسکی تھی۔ ۱۹۷۸ء یا زیادہ سے زیادہ ۱۹۷۷ء میں اور وہ بھی خاص محفلوں میں ہمارے لئے ممکن ہوسکا تھا کہ اپنی جدوجہد کو حکومت اسلامی کے لئے جدوجہد کے طور پر ظاہر کر سکیں اور وقت بھی کسی کا اس کے حاکم کے طور پر معین اظہار نہیں کر سکے تھے۔

---

[1] بصائر الدرجات فی فضائل آل محمد صلی اللہ علیہم/ ج 1 / 244 / 11 باب فی الائمۃ أنہم یخبرون شیعتہم بأفعالہم و سرہم وأفعال غیبہم وہم غیب عنہم ص:242

ان حقائق کی روشنی میں آپ ملاحظہ فرمائیں کہ اس دور میں لوگ اٹھتے ہیں اور مملکت اسلامی کے دور دراز علاقوں میں جا جا کر امام صادق علیہ السلام کی حکومت کی طرف عوام کو دعوت دیتے ہیں، اس کے کیا معنی ہیں؟

کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے، کہ اب وہ وقت قریب پہنچا جاتا ہے جس کا وعدہ کیا گیا تھا؟ یہ وہی ۱۴۰ھ کا سال ہے۔ یہ وہی چیز ہے جو ائمہ علیہم السلام کی مسلسل جدوجہد کا فطری تقاضا ہے اور اس دور میں حکومت اسلامی کی تشکیل کی نوید دیتی ہے۔

لوگوں کو امام جعفر صادق علیہ السلام کی ولایت وحکومت کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ آج ہم ولایت کا مفہوم اچھی طرح سمجھتے ہیں، گزشتہ دور میں ولایت کے معنی محبت بتائے جاتے تھے۔ لوگوں کو امام صادق علیہ السلام کی ولایت یعنی محبت کی طرف دعوت دینا؟ محبت کے لئے دعوت نہیں ہوتی، محبت کوئی ایسی چیز تو ہے نہیں جس کی معاشرے کو دعوت دی جائے۔ علاوہ ازایں اگر ولایت کا مفہوم محبت لیا جائے تو اس حدیث کے بعد کے فقرے بے معنی ہو جاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے۔

"فَفِرْقَةٌ أَطَاعَتْ وَأَجَابَتْ۔" [1]

ایک گروہ نے اطاعت کی اور قبول کیا۔

"وَفِرْقَةٌ جَحَدَتْ وَأَنْكَرَت" [2]

اور ایک گروہ نے انکار کیا اور قبول نہ کیا۔

اسلامی دنیا میں محبت اہل بیت علیہم السلام سے کون لوگ انکار کرتے ہیں؟!!!

---

[1] الخرائج والجرائح/ ج 2 / 723 / الباب الخامس عشر فی الدلالات والبراہین علی صحۃ إمامۃ الاثنی عشر [إماما] ع ص:706

[2] الخرائج والجرائح/ ج 2 / 723 / الباب الخامس عشر فی الدلالات والبراہین علی صحۃ إمامۃ الاثنی عشر [إماما] ع ص:706

"وَفِرْقَةٌ تَوَرَّعَتْ وَوَقَفَتْ." [۱]

اور ایک گروہ نے ورع اختیار کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر لی۔

تورع اور توقف کا بھی کسی طرح محبت کے ساتھ کوئی ربط سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ اس بات کا قرینہ ہیں کہ ولایت سے مقصود کچھ اور ہے، ظاہر ہے وہ حکومت ہی ہو سکتی ہے۔ حدیث کے آخری فقرے کچھ اس طرح ہیں:

"فَخَرَجَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ رَجُلٌ فَدَخَلُوا عَلَى أَبِي عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ" [۲]

ہر طرف سے لوگ امام علیہ السلام کی خدمت میں آتے ہیں اور گفتگو کرتے ہیں۔

حضرتؑ ان میں سے خاموشی اختیار کرنے والے ایک شخص سے فرماتے ہیں:

تم نے اس سلسلہ میں جو توقف و تورع اختیار کیا تو اس وقت یہ تورع کیوں نہ اپنایا جب فلاں نہر کے کنارے فلاں روز فلاں مخالف اسلام عمل انجام دے رہے تھے؟!

یہ ارشاد بخوبی اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ شخص جس نے خراسان میں امام علیہ السلام کی ولایت کی طرف دعوت کا فریضہ انجام دیا تھا اس نے امام علیہ السلام کی رضامندی سے یہ کام انجام دیا تھا بلکہ ممکن ہے کہ خود امام علیہ السلام نے ہی اس کو اس بات پر مامور کیا ہو۔

یہ چیز امام صادق علیہ السلام کی زندگی کے پہلے مرحلہ سے تعلق رکھتی تھی اور آپ علیہ السلام کی زندگی میں ایسی علامات ملتی ہیں کہ غالباً اس طرح کی تمام چیزیں اسی پہلے دور سے مربوط ہیں۔ یہاں تک کہ منصور عباسی کی خلافت کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ منصور کے برسر اقتدار آتے ہی مشکلات کا دور شروع ہو جاتا ہے اور امام علیہ السلام کے لئے بھی قریب قریب وہی حالات پیدا ہو

---

[۱] الخرائج والجرائح / ج 2 / 723 / الباب الخامس عشر فی الدلالات والبراہین علی صحۃ إمامۃ الاثنی عشر [إماما] ع ص:706

[۲] الخرائج والجرائح / ج 2 / 723 / الباب الخامس عشر فی الدلالات والبراہین علی صحۃ إمامۃ الاثنی عشر [إماما] ع ص:706

جاتے ہیں جن سے امام محمد باقر علیہ السلام کی زندگی دوچار تھی۔ گھٹن چھا جاتی ہے اور طرح طرح کے دباؤ آپ علیہ السلام پر پڑنے لگتے ہیں۔ حضرت علیہ السلام کو بارہا حیرہ، واسطہ، رملیہ نیز دوسری جگہوں پر طلب کیا جاتا ہے یا جلاوطن کیا جاتا ہے۔ کئی مرتبہ خلیفہ آپ علیہ السلام کو خطاب کرتا ہے اور سختی کا نشانہ بناتا ہے۔ ایک مرتبہ تو خلیفہ یہاں تک کہہ دیتا ہے کہ:

"خدا مجھے زندہ نہ رکھے اگر میں آپ کو قتل نہ کردوں"۔

ایک مرتبہ حاکم مدینہ کو حکم دیتا ہے کہ:

آپ سمیت آپ کے گھر کو آگ لگا دو۔

حضرت علیہ السلام جلتی ہوئی آگ عبور کرتے ہیں اور بڑے ہی توکل اور اعتماد کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے ایک عجیب منظر پیش کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

انا ابن اعراق الثریٰ انا ابن محمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [1]

ہم زندہ و پائندہ امام کے فرزند ہیں، محمد مصطفیٰ کے فرزند ہیں۔

اس چیز نے دشمنوں کو اور بھی ذلیل و خوار کیا۔۔۔۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اور منصور کے تعلقات اکثر نہایت کشیدہ رہے۔ منصور بارہا امام کو دھمکیاں دیتا تھا۔ اگرچہ اس طرح کی روایات بھی ملتی ہیں جن میں ہے کہ امام علیہ السلام نے منصور کے

---

[1] یہ حدیث دو عبارات کے ساتھ کتب شیعہ میں مجھے مل سکی ہے اور دونوں ہی صورتوں میں اس حدیچ کے الفاظ یہ نہ مل سکے ایک حدیث کے الفاظ جدا ہیں لیکن ان کا معنی یہی ہے اور وہ حدیچ یہ ہے:

أَنَا ابْنُ أَعْرَاقِ الثَّرَى، أَنَا ابْنُ سَيِّدِ أَهْلِ الدُّنْيَا.

(نزہۃ الناظر وتنبیہ الخاطر/ 75 / لمع من کلام الامام [الزکی أبی محمد] 2 الحسن بن علی، علیہما الصلاۃ والسلام)

دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

أَنَا ابْنُ أَعْرَاقِ الثَّرَى أَنَا ابْنُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَام.

(الکافی (ط- الاسلامیۃ) / ج 1 / 473 / باب مولد أبی عبداللہ جعفر بن محمد ع ..... ص: 472)

زیادہ تر کتب میں دوسری حدیث پائی جاتی ہے۔ (مصحح: مجاہد حسین حرّ)

سامنے اپنی ذلت اور عاجزی کا اظہار کیا (معاذ اللہ)۔ یقینی طور پر ان میں سے ایک روایت بھی درست اور قابل اعتماد نہیں ہے۔ میں نے ان روایات کا جائزہ لیا اور تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان کی کوئی اصل اور حقیقت نہیں ہے۔ ان کا سلسلہ زیادہ تر "ربیع حاجب" تک پہنچتا ہے جس کا فاسق ہونا قطعی اور یقینی ہے اور وہ منصور کے قریبی لوگوں میں سے ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ربیع شیعہ یا دوستدار اہل بیت علیہم السلام تھا۔ ربیع کہاں اور شیعہ ہونا کہاں؟ ربیع ابن یونس کا مطیع و فرماں بردار اور حکم کا غلام تھا اور ان افراد میں سے تھا جو بچپن ہی سے بنی عباس کے نوکروں میں شامل ہو جاتے تھے۔ یہ رفتہ رفتہ منصور کا حاجب ہو گیا تھا اور بے پناہ خدمتوں کے عوض بالآخرہ منصب وزارت پر فائزہ ہو گیا تھا۔

جس وقت منصور مرا ہے، اگر ربیع نہ ہوتا تو خلافت منصور کے خاندان سے باہر چلی گئی ہوتی اور شاید اس کے چچاؤں کا خلافت پر قبضہ ہو جاتا۔ یہ ربیع ہی تھا جو مرتے وقت تنہا منصور کے سرہانے موجود تھا اور اس نے منصور کے بیٹے مہدی کے حق میں جعلی وصیت نامہ تیار کیا اور مہدی کو تخت خلافت پر بٹھا دیا۔ فضل ابن ربیع جو بعد میں ہارون اور امین کے دربار میں وزارت پر فائز ہوا اسی کا بیٹا تھا۔ یہ خاندان ان خاندانوں میں سے ہے جو بنی عباس کی نمک خواری اور وفاداری میں کافی مشہور ہیں اور ان کے دلوں میں اہل بیت علیہم السلام کے لئے کسی طرح کی ارادت و محبت نہیں پائی جاتی اور ربیع نے جو کچھ امام صادق علیہ السلام کے سلسلہ میں کہا ہے وہ سراسر جھوٹ ہے اور جعلی ہے اور ان تمام کوششوں کے پس پشت اس کا مقصد صرف اتنا تھا کہ اس دور کے اسلامی معاشرے کو یہ باور کرایا جائے کہ حضرت علیہ السلام جیسی شخصیت بھی منصور کے سامنے عاجزی اور تذلیل کا اظہار کر چکی ہے۔ تاکہ دوسرے لوگ اپنی حیثیت کے بارے میں خود ہی فیصلہ کر لیں۔

بہر حال منصور اور امام صادق علیہ السلام کے تعلقات انتہائی کشیدہ تھے جو ۱۴۸ھ میں امام علیہ السلام کی شہادت پر منتہی ہوتے ہیں۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا عہد

امام موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام کی زندگی کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ علیہ السلام کی زندگی غیر معمولی واقعات وحادثات سے پر ہے اور میری نظر میں ائمہ علیہم السلام کی سیاسی تحریک کا لفظ عروج آپ علیہ السلام ہی کے دور سے تعلق رکھتا ہے۔لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ حضرت علیہ السلام کی زندگی سے متعلق صحیح اور واضح معلومات دستیاب نہیں ہیں۔کہیں کہیں حضرت علیہ السلام کی زندگی سے متعلق پتہ چلتا ہے کہ آپ علیہ السلام کچھ دنوں تک عمال حکومت کی نظروں سے چھپ کر پوشیدہ زندگی بسر کرتے ہیں اور ہارون کی پوری مشینری آپ علیہ السلام کی تلاش میں رہتی ہے مگر آپ علیہ السلام کا پتہ چلانے سے قاصر رہتی ہے۔خلیفہ بعض افراد کو پکڑتا ہے اور انہیں اذیتیں دے کر آپ علیہ السلام کا ٹھکانا معلوم کرنا چاہتا ہے اور اس چیز کی گزشتہ ائمہ علیہ السلام کی زندگی میں کوئی اور مثال نہیں ملتی۔

ابن شہر آشوب مناقب میں درج ذیل روایت نقل کرتے ہیں جس سے اس قسم کا نتیجہ برآمد ہوتا ہے:

دَخَلَ مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ ع بَعْضَ قُرَى الشَّامِ مُتَنَكِّراً هَارِبًا.[1]

موسیٰ ابن جعفر بدحالی اور فرار کی حالت میں شام کے بعض علاقوں میں آئے۔

اس طرح کی چیز کسی اور امام علیہ السلام کے بارے میں نہیں ملتی۔

اس سے امام علیہ السلام کی زندگی میں پائے جانے والے تحرک کا اندازہ ہوتا ہے اور اسی کو

[1] مناقب آل أبي طالب عليهم السلام (لابن شهرآشوب)/ ج4 / 311 /فصل في علمه ع..... ص:310

دیکھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آخر آپ علیہ السلام کو کیوں دائمی قید کی صعوبت جھیلنی پڑی ہے۔ ورنہ آپ نے سنا ہوگا کہ شروع میں جب ہارون تخت خلافت پر بیٹھتا ہے اور مدینہ آتا ہے تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ نہایت ہی لطف ونوازش کا برتاؤ کرتا ہے اور انتہائی احترام سے پیش آتا ہے۔ چنانچہ یہ داستان جو مامون سے نقل کی گئی ہے بہت مشہور ہے:

وہ کہتا ہے کہ حضرت علیہ السلام سواری سے اتر جانا چاہتے تھے لیکن ہارون نے آپ علیہ السلام کو ایسا نہیں کرنے دیا اور قسم دی کہ آپ علیہ السلام کو میری جائے نشست تک یونہی سوار ہو کر چلنا ہوگا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام اسی طرح سوار وہاں تک پہنچے۔ سب نے حضرت علیہ السلام کا احترام کیا اور آپس میں گفتگو ہوئی۔ جب حضرت علیہ السلام جانے لگے تو ہارون نے مجھ (مامون) سے اور امین سے کہا کہ ابوالحسنؑ کی رکاب تھام لو۔

ایک دلچسپ بات جو اس روایت میں مامون بیان کرتا ہے وہ یہ ہے:

میرے باپ ہارون نے تمام لوگوں کو پانچ پانچ ہزار اور دس دس ہزار دینار (یا درہم) عطیہ وبخشش کے طور پر دیئے اور موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام کو دوسو دینار دیئے حالانکہ جب ہارون نے حضرت علیہ السلام سے احوال پرسی کی تھی تو حضرت علیہ السلام نے اپنی سخت پریشانی اور مالی بدحالی کے ساتھ کثرت عیال کا تذکرہ بھی کیا تھا۔

یہ باتیں امام علیہ السلام کی زبان سے نہایت ہی دلچسپ اور پر معنی معلوم ہوتی ہیں اور خود میں بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے شاہی دور میں سیاسی سرگرمیوں کے دوران تقیہ کا تجربہ کیا ہے اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں۔ انہیں بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ امام علیہ السلام کا ہارون جیسے شخص کے سامنے اس طرح اپنی پریشان حالی کا ذکر کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ امام علیہ السلام کیوں کہتے ہیں کہ میری حالت اچھی نہیں ہے گزر بسر مشکل سے ہوتی ہے؟ اس طرح کی باتیں ہرگز ذلت وحقارت کی نشاندہی نہیں کرتیں۔ ہم اور آپ جانتے ہیں کہ جابر وظالم وطاغوتی دور میں جان بوجھ کر ہم لوگ

اس طرح کی باتیں کیا کرتے تھے۔ ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ انسان اس قسم کی سختیوں کے دور میں دشمن کو اپنی حالت اور کاموں سے غافل رکھنے کے لئے اس طرح کی باتیں کیا کرتا ہے۔

بہرحال اصولی طور پر امام علیہ السلام کی اس طرح کی باتوں کے بعد ہارون کو امام علیہ السلام کی خدمت میں کوئی بڑی رقم مثلاً پچاس ہزار دینار (یا درہم) پیش کرنی چاہئے تھی لیکن وہ صرف دوسو دینار دیتا ہے۔

مامون کہتا ہے:

میں نے اپنے باپ سے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا: جو رقم مجھے ان کو دینی چاہئے تھی اگر دے دوں تو مجھے خدشہ ہے کہ چند دنوں کے بعد وہ اپنے دوستوں اور شیعوں میں سے ایک لاکھ شمشیرزن میرے خلاف کھڑے کر دیں گے۔

یہ ہارون کا تاثر اور خیال ہے اور میری نظر میں ہارون نے ٹھیک ہی سمجھا تھا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہارون کا یہ تاثر امام علیہ السلام کے متعلق چغل خوریوں کا نتیجہ ہے لیکن حقیقی قصہ یہی ہے۔ اس زمانہ میں کہ جب امام علیہ السلام ہارون کے خلاف جدوجہد میں مشغول تھے اگر واقعی اس وقت امام علیہ السلام کے پاس دولت ہوتی تو ایسے بہت سے لوگ تھے جو آپ علیہ السلام کی معیت میں تلواریں سونتنے پر آمادہ تھے اور اس کے نمونے ہمیں امام زادوں کی تحاریک میں دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں ائمہ علیہم السلام یقیناً اپنے گرد زیادہ افراد اکھٹا کر سکتے تھے لہٰذا امام محمد باقر علیہ السلام کا زمانہ اوج کا دور کہا جا سکتا ہے جو آپ علیہ السلام کی قید پر منتہی ہوتا ہے۔

امام علی رضا علیہ السلام کا دور

جب نوبت امام رضا علیہ السلام تک پہنچتی ہے تو ایک مرتبہ پھر تشیع کے پھیلاؤ، رواج اور ائمہ علیہم السلام کے اچھے حالات کا دور آتا ہے۔شیعوں میں ہر طرف اضافہ ہوتا ہے اور بہت زیادہ مواقع میسر ہوتے ہیں جو امام علیہ السلام کی ولی عہدی پر منتہی ہوتے ہیں۔اگرچہ جب تک ہارون بقید حیات رہا امام رضا علیہ السلام انتہائی تقیہ کے عالم میں رہے۔یعنی آپ علیہ السلام کی جدوجہد اور مساعی جاری تھی، آپ علیہ السلام کی تحریک جاری تھی، لوگوں سے ربط وضبط رکھتے تھے البتہ مکمل پوشیدہ طور پر۔

انسان سمجھ سکتا ہے، مثال کے طور پر دعبل خزاعی حضرت علیہ السلام کی ولی عہدی کے دوران شاندار الفاظ میں آپ علیہ السلام کی مدح سرائی کرتا ہے۔ظاہر ہے یہ چیز یکا یک زمین سے برآمد نہیں ہوگئی تھی۔وہ معاشرہ جو دعبل خزاعی اور ابراہیم ابن عباس اور ان جیسے دوسرے مداحان امام علیہ السلام پروان چڑھا تا ہو اس کی ثقافت و معاشرت میں خاندان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت وارادت کا عنصر موجود ہونا ایک بدیہی سی بات ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ بغیر کسی سابقہ کے یکا یک مدینہ، خراسان، رے، نیز دوسرے علاقوں میں لوگ امام رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کا جشن منانے لگے ہوں۔وہ واقعہ جو امام علیہ السلام کی زندگی میں پیش آیا یعنی ولی عہدی (جو ایک بڑی اہمیت کا حامل حادثہ ہے اور سال گزشتہ اپنے پیغام میں ہم نے اس کے اسباب وعلل کی طرف اشارہ کیا تھا) اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کی محبت وعقیدت کے سلسلہ میں عوام کے جذبات امام رضا علیہ السلام کے دور میں بڑی بلند سطح پر پہنچ چکے تھے۔

بہر حال بعد میں جب امین اور مامون کے درمیان شدید اختلاف کی وجہ سے بغداد و خراسان کے درمیان پانچ سال تک جنگ وجدال کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو یہ صورتحال امام علیہ السلام کے اپنے کاموں کو وسعت دینے کا موجب ہوتی ہے جو آپ علیہ السلام کی ولی عہدی پر منتج ہوتے ہیں۔ بد قسمتی سے یہاں بھی امام علیہ السلام کی شہادت کی وجہ سے یہ تسلسل قطع ہو جاتا ہے اور ایک نیا دور شروع ہوتا ہے جو اہل بیت علیہم السلام کے لئے آزمائشوں اور غم و آلام کا دور ہے۔ میری نظر میں امام محمد تقی جواد علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے بعد کا دور اہل بیت علیہم السلام کے لئے ہمیشہ سے زیادہ بدتر رہا ہے اور اس میں ان حضرات علیہم السلام کو سب سے زیادہ آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

یہ ائمہ علیہم السلام کی سیاسی زندگی کا مجموعی خاکہ تھا جو میں نے آپ کے سامنے عرض کیا۔

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ میں نے اپنی گفتگو کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک حصہ یہی مجموعی سیاسی خاکہ تھا جس کا اس مرحلہ پر اختتام ہوتا ہے۔ دوسرا حصہ جو ائمہ علیہم السلام کی اس سیاسی جدوجہد کے نمود و اثرات سے متعلق ہے، اس پر گفتگو کے لئے اب کافی وقت نہیں رہا ہے، اور اس سے زیادہ میں آپ عزیزوں اور دوستوں کے لئے سبب زحمت نہیں بننا چاہتا لیکن وہ چیزیں جو میری نظر سے گزری ہیں اور میں نے گزشتہ دو ایک روز میں فرصت نکال کر چند گھنٹے ان پر کام کیا ہے اور اپنی پرانی یادداشتوں سے انہیں جمع کیا ہے، یہاں میں ان کے عناوین کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس سلسلے کے تمام قابل بحث عناوین صرف یہی نہیں ہیں لیکن میں صرف اس لئے چند عناوین کو پیش کر رہا ہوں تا کہ اگر دوسرے لوگ کام کرنا چاہیں تو ان کی نظروں کے سامنے یہ چند موضوعات رہیں۔

ائمہ علیہم السلام کی سیاسی جدوجہد کے مظاہر و آثار

ان میں سے ایک مسئلہ امامت کا دعویٰ کرنا اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا ہے۔ یہ چیز ائمہ علیہم السلام کی زندگی میں جگہ جگہ نظر آتی ہے اور ان حضرات علیہ السلام کی سیاسی جدوجہد کی غماز ہے۔ دراصل یہ ایک مبسوط فصل ہے جس کے ذیل میں مختلف ابواب کے تحت روایات موجود ہیں۔ ان روایات میں سے کافی کی روایات "الائمة نور الله ---۔ اور امامت کو پہچنوانے کے ذیل میں امام رضا علیہ السلام کی روایت نیز امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی مختلف روایات اور طرح طرح کے مخالفین سے ائمہ علیہم السلام کے اصحاب کے مجادلے، اس کے علاوہ اہل عراق کو دعوت دیتے ہوئے امام حسین علیہ السلام کی روایات اور اس موضوع پر موجود بکثرت روایات۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ائمہ علیہم السلام کی کوششوں اور دعووں سے خلفائے وقت کیا سمجھتے تھے۔ آپ علیہ السلام نے ملاحظہ فرمایا کہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ سے لے کر متوکل عباسی کے دور تک ائمہ علیہم السلام کے مقاصد اور منصوبوں کے سلسلہ میں مسلسل ایک ہی فکر و خیال پایا جاتا ہے اور ہمیشہ خلفاء اور ان کے عمال و کارندے ائمہ علیہم السلام کو ایک ہی نظر سے دیکھتے رہے ہیں اور اس کے لازمی نتیجے کا حامل ہے، اسے آسانی سے نظر انداز کر کے آگے نہیں بڑھا جا سکتا۔

ائمہ علیہم السلام کے سلسلہ میں یہ سب اسی ایک نظریہ کے قائل کیوں تھے؟ مثال کے طور پر امام موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام کے سلسلے میں یہ کہا جاتا ہے کہ

خلیفتان یجبی الیهما الخراج ---

خراج جمع کرنے والے دو خلیفہ

یا امام علی رضا علیہ السلام کے لئے یہ جملہ کہ

هذا علی ابنه قد قعلوا دعی لنفسه

یہ علی اس کا بیٹا ہے جو اس امر کا مدعی تھا۔

یا دیگر ائمہ علیہم السلام کے بارے میں اسی قسم کے جملے اس بات کی واضح نشاندہی کرتے ہیں کہ خلفائے وقت اور ان کے رفقاء کار ائمہ علیہم السلام کے طرز عمل سے کس قسم کے دعووں کا استنباط کرتے تھے۔ یہ نہایت ہی قابل توجہ اور اہم ترین نکتہ ہے۔

ایک اور اہم مسئلہ خلفائے وقت کا اپنی امامت پر اصرار اور شیعیان آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس امر کی نزاکت کے پیش نظر مسلسل اس کی مخالفت کرنا ہے۔ مثال کے طور پر یہ واقعہ جس کی اور بھی مثالیں موجود ہیں ملاحظہ فرمایئے:

کثیر جو بنی امیہ کے پہلے دور کے صف اول کے شعراء میں سے ہے (یعنی فرزدق، حریر، اخطل، جمیل اور نصیب وغیرہ کا ہم پلہ شمار کیا جاتا ہے) شیعہ اور امام محمد باقر علیہ السلام کے عقیدت مندوں میں سے تھا۔

ایک دن امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے، امام علیہ السلام شکایت کے لہجہ میں اس سے سوال کرتے ہیں:

امْتَدَحتَ عَبْدَ الْمَلِكِ؟

میں نے سنا ہے کہ تم نے عبدالملک کی مدح سرائی کی ہے؟

وہ ایک دم گھبرا کر امام علیہ السلام سے عرض کرتا ہے:

مَا قُلْتُ لَهُ يَا إِمَامَ الْهُدَى.

اے فرزند رسولؐ! میں نے اس کو امام ہدیٰ تو نہیں کہا ہے

وَ إِنَّمَا قُلْتُ يِيَا أَسَدُ وَ الْأَسَدُ كَلْبٌ وَ يَا شَمْسُ وَ الشَّمْسُ جَمَادٌ وَ يَا بَحْرُ وَ الْبَحْرُ مَوَاتٍ.........

ہاں! میں نے اس کو شیر، سورج، سمندر، پہاڑ اور اژدھا جیسے خطابات ضرور دیئے ہیں اور کسی کے لئے درندہ ہونا یا جمادات سے قرار دیا جانا وغیرہ کی کوئی فضیلت کی بات تو نہیں ہے۔

اس طرح امام علیہ السلام کے سامنے کثیر اپنے عمل کی توجیہ پیش کرتا ہے۔ امام علیہ السلام کے لبوں پر مسکراہٹ آجاتی ہے اور تب شاعر آل محمد علیہم السلام کمیت اسدی اٹھتا ہے اور وہ معروف "قصیدہ ہاشمیہ" سناتا ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

مَنْ لِقَلْبٍ مُتَيَّمٍ مُسْتَهَامِ   غَيْرُ مَا صَبْوَةٍ وَلَا أَحْلَام [1]

اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ ائمہ علیہم السلام عبدالملک جیسے کی مدح سرائی کے سلسلہ میں کتنے حساس تھے اور دوسری طرف کثیر کے مثل آپ علیہ السلام کے دوستوں کی حساسیت "امام الھدیٰ" پر مرکوز تھی۔ جب ہی تو وہ فوراً کہتا ہے کہ مولا میں نے عبدالملک کو "امام الھدیٰ" تو نہیں کہا ہے۔ اور یہی مثال اس بات کی بھی صاف نشاندہی کرتی ہے کہ خلفائے وقت کو اپنے "امام الھدیٰ" کہے جانے کی کتنی تمنا تھی۔

چنانچہ بنی عباس کے زمانے میں یہ تمنا اور اس پر اصرار کچھ زیادہ ہی شدت اختیار کر لیتا ہے۔ مروان ابن ابی حفصہ اموی جو بنی امیہ اور بنی عباس دونوں ہی درباروں سے وابستہ، ان کا ملازم اور کاسہ لیس تھا۔

یہی تعجب ہے کہ یہ شخص بنی امیہ کے زمانہ میں درباری شاعر تھا اور جب بنی عباس برسر اقتدار آئے تو ان کا بھی درباری شاعر بن گیا!! چونکہ اس کو زبان و بیان پر بڑی قدرت حاصل تھی لہٰذا بنی عباس نے بھی اس کو پیسوں کے ذریعہ خرید لیا۔

چنانچہ جب یہ بنی عباس کی مدح سرائی پر کمر باندھتا ہے تو ان کی شجاعت و کرم جیسی صفات کے بیان پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ انہیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت دیتا ہے اور ان کے

---

[1] مناقب آل أبي طالب علیہم السلام (لابن شہر آشوب) / ج4 / 207 / فصل فی معالی أمورہ ع..... ص:206

لئے اس مقام کو ثابت کرتا ہے جس کے وہ دیرینہ متمنی تھے۔اس کا ایک شعر یہ ہے:

أَنَّى يَكُونُ وَ لَيْسَ ذَاكَ بِكَائِنٍ
لِبَنِي الْبَنَاتِ وِرَاثَةُ الْأَعْمَامِ [۱]

یہ کیسے ممکن ہے کہ دختر زادے چچا کی میراث کے حقدار بن جائیں؟ پیغمبر کے چچا عباس کی میراث یہ دختر زادے (اولاد فاطمہؑ) نہ معلوم کیوں ہڑپ کر لینا چاہتے ہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا سارا جھگڑا خلافت کے مسئلہ پر ہے اور حقیقتاً یہی سیاسی وثقافتی جنگ رہی ہے۔ چنانچہ اس کے جواب میں مشہور ومعروف شیعہ شاعر جعفر بن عفان طائی کہتا ہے:

لم لا يكون و ان ذاك لكائن
لبنى البنات وراثة الاعمام
للبنت نصف كامل من ماله
و العم متروك بغير سهام [۲]

"بیٹی اپنے باپ کے نصف مال کی وراث ہوتی ہے اور بیٹی کی موجودگی میں چچا کا مرنے والے کے ترکہ میں کچھ بھی حق نہیں ہوتا لہٰذا میراث میں تمہارا حق ہی کیا ہے جو طلب کر رہے ہو۔"

اس مثال سے بھی امامت کے مسئلہ میں شیعیان آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حساسیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

---

[۱] الفصول المختارة/96/فصل حول کلام مروان بن أبي حفصة أنى يكون وليس ذلك بكائن..... ص:96

[۲] بحار الأنوار (ط-بيروت)/ج44/283/باب 34 ثواب البكاء على مصيبته ومصائب سائر الأئمة ع وفيه أدب المأتم يوم عاشوراء..... ص:278

اس کے علاوہ ایک مسئلہ ائمہ علیہم السلام کی طرف سے خونریز تحریکوں کی تائید وحمایت ہے۔ جس کا شمار ائمہ علیہم السلام کی زندگی سے متعلق گرما گرم بحثوں میں ہوتا ہے اور جو ائمہ علیہ السلام کی سیاسی جدوجہد کی پالیسی کو بیان کرتا ہے۔ مثلاً امام جعفر صادق علیہ السلام کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں جب معلٰی بن خنیس داؤد بن علی کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں، یا اسی طرح جناب زید شہید، حسین ابن علی (شہید فخ) نیز بعض دوسرے حضرات کے سلسلہ میں امام صادق علیہ السلام کے خیالات۔ میں نے "نور الثقلین" میں ایک عجیب وغریب روایت دیکھی۔ یہ روایت علی ابن عقبہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں:

"میں اور معلٰی ابوعبداللہ (امام جعفر صادق علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت علیہ السلام نے فرمایا: تم لوگوں کو بشارت ہو کہ دو میں سے ایک انجام (کامیابی یا شہادت) (تمہارا منتظر ہے۔ خداوند عالم نے تمہارے سینوں کو شفا دی (یا دے گا) اور تمہارے دلوں کے غیظ وغضب کو ٹھنڈا کر دیا (یا کرے گا) اور تم کو دشمنوں پر مسلط کر دیا (یا کرے گا) اور یہی وہ وعدہ ہے جو خدا نے (مومنین سے) کیا ہے۔

"ویشف صدور قوم مومنین"

قبل اس کے کہ یہ کامیابی تمہارے قدم چومے اگر تم دنیا سے رخصت ہو جاتے (یا رخصت ہو جاؤ) تو تمہاری قربانی خدا کے اس دین کے لئے ہے (یا ہوگی) جس کو پروردگار نے اپنے نبی (محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور علی علیہ السلام کے لئے پسند فرمایا ہے۔" [1]

یہ روایت اس اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں جہاد ومبارزہ، کامیابی وکامرانی اور قتل کرنے اور قتل کر دیئے جانے کی بات کی گئی ہے، بالخصوص اس کے مخاطب معلٰی بن خنیس ہیں

---

[1] تفسیر نور الثقلین/ ج2/ 191/ [سورة التوبة(9): الآيات 12 الى 18]..... ص:188

جن کے انجام سے ہم سب واقف ہیں۔ یہاں امام علیہ السلام نے بغیر کسی تمہید و مقدمہ کے بات شروع کی ہے اور ظاہر ہے کہ امام علیہ السلام کسی خاص چیز یا حادثہ سے متعلق گفتگو کر رہے ہیں، جب کہ کسی کو حادثہ کا علم بھی نہیں ہے۔ ممکن ہے۔

"شفی اللہ صدور کم ۔۔۔" کی عبارت امام علیہ السلام نے دعا کے طور پر ارشاد فرمائی ہو اور زیادہ احتمال اس بات کا ہے کہ امام علیہ السلام اس واقعہ کی خبر دے رہے ہوں جو پیش آیا ہے۔ یہ دونوں حضرات کسی مہم سے واپس آئے ہوئے تھے جس کی حضرت علیہ السلام کو خبر تھی؟ یا ہو سکتا ہے کہ خود امام علیہ السلام نے ان کو اس مہم پر مامور کیا ہو؟

حقیقت کچھ بھی ہو حدیث کا لب ولہجہ ان میں سے کسی بھی معنی و احتمال کی بنیاد پر واضح طور پر بتاتا ہے کہ امام علیہ السلام اس تیز وتند اور مخاصمت آمیز طریقہ کار کے حامی تھے جو معلیٰ بن خنیس کی روزمرہ زندگی میں بھی دیکھنے میں آتا ہے۔ اور یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ معلیٰ امام صادق علیہ السلام کے "باب" کی تعبیر ان مباحث میں خود اپنی جگہ ایک مستقل فکر و تحقیق کا موضوع ہے۔

وہ حضرات جو روایات میں ائمہ علیہم السلام کے "باب" کے طور پر پیش کئے گئے ہیں کون لوگ ہیں؟ غالباً وہ سب کے سب یا تو مقتول ہیں یا وہ جن کو قتل کی دھمکی دی گئی ہے۔ جیسے یحییٰ بن ام الطویل، معلیٰ بن خنیس، جابر بن یزید جعفی ۔۔ وغیرہ۔

ائمہ علیہم السلام کی زندگی سے متعلق ایک اور بحث ان کا قید خانوں میں رکھا جانا، گھر سے در بدر کیا جانا، انہیں زیر نظر رکھا جانا بھی ہے اور میری نظر میں یہ موضوع بہت زیادہ تحقیق و تدقیق کا طالب ہے کیونکہ اس سلسلہ میں بہت سے مطالب تحقیق و دقت نظر کے محتاج ہیں اور دامن وقت میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ میں اس سلسلہ میں کوئی خاطر خواہ بحث کر سکوں۔

ایک اور مسئلہ خلفا میں ائمہ علیہم السلام کا بے خوف و خطر، صاف و صریح اور بے باک رویہ ہے۔ اس بحث کے ذیل میں قابل غور و فکر نکتہ یہ ہے کہ اگر یہ حضرات بھی معاذ اللہ دبو، مفاہمت

پسند اور حالات سے سمجھوتہ کرنے والے ہوتے تو اپنے دور کے دوسرے علما وزہاد کی طرح کسی مخالفانہ لب ولہجہ کے بجائے نرم وشیریں انداز کلام کا انتخاب کرتے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اس وقت بہت سے ایسے علماء اور زہاد موجود تھے جن سے خلفانہ صرف علاقہ، محبت ارادت بھی رکھتے تھے۔ ہارون کہتا تھا

کلکم یمشی روید کلکم یطلب صید

غی عمرو بن عبید

"تم میں سے ہر ایک ٹھہر ٹھہر کر چلتا ہے اور ہر ایک شکار کا طلبگار ہے سوائے عمر اور ابن عبید کے۔"

یہ لوگ خلفا کو نصائح کرتے ہیں، حتیٰ ان کی ناصحانہ باتوں پر کبھی کبھی خلفا کے آنسو بھی نکل آتے تھے البتہ وہ خلفا کو ظالم و جابر و طاغی و غاصب یا شیطان اور اس کے ہم معنی دوسرے الفاظ کہنے میں احتیاط برتتے تھے۔ اس کے برخلاف ائمہ علیہم السلام ایسی کوئی رعایت نہیں کرتے تھے، حقائق کا برملا اظہار فرما دیتے تھے اور ارباب حکومت کا ظاہری جاہ وحشم اور سطوت وہیبت ان کی زبانیں بند نہ کر سکتا تھا۔

ایک اور بحث ائمہ علیہم السلام کے ساتھ خلفائے وقت کی معاندانہ روش ہے۔ مثال کے طور پر امام صادق علیہ السلام اور منصور نیز امام موسیٰ کاظم اور ہارون کے واقعات کی جانب ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔

امامت کی حکمت عملی

ایک اور بحث جو پورے طور پر قابل توجہ اور لائق مطالعہ ہے ائمہ علیہم السلام کے بے باک دعوے ہیں جن سے امامت کی حکمت عملی کا صاف پتہ چلتا ہے۔ کہیں کہیں ائمہ علیہم السلام کے ارشادات ومباحث میں اس طرح کے دعوے اور بیانات نظر آتے ہیں جو عام انداز سے بالکل مختلف ہیں اور ایک خاص مقصد وراہ عمل کو بیان کرتے ہیں جو امامت کی حکمت عملی ہے۔

ایسے ہی مواقع میں سے ایک موقع حضرت ابن جعفر علیہ السلام اور ہارون کے درمیان فدک کے بارے میں گفتگو ہے۔

ایک روز ہارون نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کہا:

خُذْ فَدَكاً حَتَّى أَرُدَّهَا إِلَيْكَ

فدک کی حدود معین کردیجئے تاکہ ہم اسے آپ کو واپس کردیں۔

اس کا خیال تھا کہ اس طرح فدک کے نعرے کو بے اثر بنادے جو تاریخ میں ہمیشہ اہل بیت علیہم السلام کی مظلومیت کے عنوان سے دہرایا جاتا رہا ہے اور ذریت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کا یہ ہتھیار چھین لے اور اس طرح شاید وہ یہ بھی چاہتا ہو کہ شیعہ اس میں اور ان لوگوں میں فرق کے قائل ہو جائیں جنہوں نے اہل بیت علیہم السلام سے فدک چھینا تھا۔ حضرت علیہ السلام پہلے تو اس کی پیشکش کو رد کرتے ہیں اور جب اس کی طرف سے اصرار بڑھتا ہے تو امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَا آخُذُهَا إِلَّا بِحُدُودِهَا

"اگر فدک واپس ہی کرنا ہے تو اس کی واقعی حدود کے ساتھ واپس کرو۔"

ہارون اس کو قبول کر لیتا ہے تو امام علیہ السلام فدک کی حدود معین فرمانا شروع کرتے ہیں:

أَمَّا الْحَدُّ الْأَوَّلُ فَعَدَنُ

اس کی پہلی حد عدن ہے۔

یہ گفتگو مدینہ یا بغداد میں ہو رہی ہے۔ امام علیہ السلام جزیرہ عرب کی آخری سرحد عدن کو فدک کی ایک حد کے طور پر معین کر رہے ہیں۔

فَتَغَيَّرَ وَجْهُ الرَّشِيدِ وَقَالَ إِيهاً

ہارون کے چہرے کا رنگ اڑ جاتا ہے اور بے اختیاری کہتا ہے: اوہ!

حضرت علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَالْحَدُّ الثَّانِي سَمَرْقَنْدُ

اس کی دوسری حد سمرقند ہے۔

مشرق میں ہارون کی سلطنت یہیں منتہی ہوتی تھی۔

فَارْبَدَّ وَجْهُهُ

ہارون کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگتی ہیں۔

امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَالْحَدُّ الثَّالِثُ إِفْرِيقِيَةُ

اور اس کی تیسری حد تیونس سے ملتی ہے۔

یہ عباسی حکومت کی مغربی سرحد ہے۔

فَاسْوَدَّ وَجْهُهُ وَقَالَ هِيهِ

ہارون کا چہرہ غصہ سے سیاہ پڑ جاتا ہے اور کہتا ہے: عجب؟!!!

امام علیہ السلام اپنی بات جاری رکھتے ہیں:

وَ الرَّابِعُ سِيفُ الْبَحْرِ مِمَّا يَلِي الْجُزُرَ وَ أَرْمِينِيَةَ.

"اور اس کی چوتھی حد سمندر کے کناروں سے ملتی ہے جس کی پشت پر جزیرے اور ارمنستان ہیں۔"

یہ ملک کا آخری شمالی حصہ ہے۔

اب ہارون کا پارہ آخری نقطہ پر پہنچ چکا تھا کھسیاہٹ اور غصہ کے عالم میں کہتا ہے: پھر ہمارے پاس تو کچھ بھی نہ بچا۔

قَالَ مُوسَى قَدْ أَعْلَمْتُكَ أَنَّنِي إِنْ حَدَدْتُهَا لَمْ تَرُدَّهَا.

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے پہلے ہی تجھ سے کہہ دیا تھا کہ اگر میں فدک کی حدیں بیان کر دیں تو کبھی اسے واپس نہ کرے گا۔

اس حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں:

فَعِنْدَ ذَلِكَ عَزَمَ عَلَى قَتْلِهِ. [1]

یعنی یہی وہ منزل تھی جب ہارون امام علیہ السلام کے قتل کا پکا ارادہ کر لیتا ہے۔

اس پوری گفتگو میں واضح ترین چیز امام علیہ السلام کا ادعا ہے، وہ بات جسے اب ہارون نے بھی اچھی طرح سمجھ لیا اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے قتل پر کمر بستہ ہو گیا۔ اور اسی قبیل کے اظہارات جن سے ائمہ علیہم السلام کے دعووں کا صاف پتہ چلتا ہے امام محمد باقر علیہ السلام، امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام علی رضا علیہ السلام کی زندگیوں میں بھی نظر آتے ہیں، جن کو یکجا کرنے سے امامت کا موقف واضح طور پر سامنے آجاتا ہے۔

[1] مناقب آل أبي طالب علیہم السلام (لابن شہر آشوب) / ج 4 / 320 / فصل فی معالی أمورہ ع ..... ص: 317

ائمہؑ کا طریقہ کار اور انکے اصحاب کا نظریہ

ائمہ علیہم السلام کی زندگی کا مطالعہ کرتے وقت ایک اور مسئلہ جو تحقیق اور چھان بین کے قابل ہے وہ ائمہ علیہم السلام کے مقاصد، ان کے طریقہ کار اور مدعا کے سلسلہ میں ائمہ علیہم السلام کے اصحاب کا نقطہ نظر ہے۔ اس بات کی وضاحت کی ضرورت نہیں کہ ہمارے مقابلہ میں اصحاب ائمہ علیہم السلام ان بزرگواروں سے زیادہ نزدیک بھی تھے اور ان کے مقصد و مدعا سے زیادہ واقف و آگاہ بھی۔ سوال یہ ہے کہ اس سلسلہ میں ان کے کیا تاثرات تھے اور وہ اس کی کیا تفسیر کرتے تھے؟

کیا ہمیں روایات میں اس نکتہ کی وضاحت نہیں ملتی کہ خود اصحاب بھی قیام و خروج کے منتظر تھے؟ خراسان کے اس شخص کی داستان سے کون ناواقف ہے جو امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرتا ہے کہ کئی لاکھ مسلح افراد قیام کے لئے آپ علیہ السلام کے اشارے کے منتظر ہیں۔ جب حضرت علیہ السلام مذکورہ اعداد وشمار پر تعجب فرماتے ہیں کہ اگر اس طرح کے اتنے افراد (۱۲ ،۱۵ یا۔۔۔ افراد اختلاف روایات کے ساتھ) مجھے میسر ہوتے تو میں میدان میں آجاتا۔

اس طرح کے بہت سے افراد امام علیہ السلام کے پاس آکر قیام) روایات کے الفاظ میں خروج (کا تقاضا کرتے رہے ہیں) البتہ بعض مواقع پر امام علیہ السلام سے قیام کا مطالبہ کرنے والوں میں عباسی حکومت کے جاسوس بھی تھے جن کے جاسوس ہونے کا اندازہ امام علیہ السلام کی جانب سے ان کو دیئے جانے والے جوابات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے)۔

آخر یہ افراد امام علیہ السلام کی خدمت میں اس قسم کا مطالبہ لے کر کیوں حاضر ہوتے تھے؟

کیا اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس وقت شیعوں کے درمیان حق وانصاف پر مبنی حکومت کی تاسیس کے لئے قیام وخروج ایک حتمی امر اور ائمہ علیہم السلام کا ایک مسلمہ مقصد سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ائمہ علیہم السلام کے اصحاب وانصار اور شیعوں میں یہ بات مقبول تھی کہ امام علیہ السلام اقدام کے لئے کسی مناسب موقع کے منتظر ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک قابل توجہ روایت میری نظر سے گزر رہی ہے جس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ زرارہ ابن اعین جیسے بلند مرتبہ صحابی میں اس امر کی مقبولیت کا کیا عالم تھا۔ رجال کشی میں روایت ہے:

ایک دن زرارہ امام علیہ السلام کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک شخص اپنی تلاش میں سرگرم دشمن کے ہاتھوں سے بھاگ نکلا ہے۔ اگر یہ "امر" (حکومت کے لئے قیام) نزدیک ہوتو وہ صبر کرے تاکہ قیام کرنے والوں کے ساتھ خروج کرے اور اگر اس میں تاخیر ہوتو وہ مصالحت کرلے۔

حضرت علیہ السلام فرماتے ہیں: وہ وقت آئے گا۔

زرارہ سوال کرتے ہیں: کیا ایک سال کے اندر ایسا ہوگا؟

امام فرماتے ہیں: ان شاء اللہ وہ وقت آئے گا۔"

زرارہ پھر پوچھتے ہیں: کیا دو سال لگ جائیں گے؟

امام علیہ السلام وہی جملہ پھر دہرا دیتے ہیں: ان شاء اللہ وہ وقت آئے گا۔

اور زرارہ یہ سوچ کر خاموش ہوجاتے ہیں کہ دو سال تک آل علی علیہ السلام کی حکومت قائم ہوجائے گی۔"

یقیناً زرارہ، سادہ لوح وبے خبر افراد میں سے نہ تھے، وہ امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے قریب ترین اصحاب میں سے تھے لہٰذا وہ کیسے مانتے تھے کہ علوی حکومت اتنی کم

مدت بعد قائم ہو جائے گی؟

ایک دوسری روایت میں ہشام ابن سالم نقل کرتے ہیں کہ ایک روز زرارہ نے مجھ سے کہا:

لَا تَرَى عَلَى أَعْوَادِهَا غَيْرَ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ.[1]

مسند خلافت پر امام جعفر ابن محمد کے علاوہ کسی اور نہیں دیکھو گے۔

ہشام کہتے ہیں: جب امام جعفر صادق علیہ السلام نے شہادت پائی تو میں نے زرارہ سے کہا: کیا تم کو اپنی وہ بات یاد ہے؟ مجھے دھڑکا تھا کہ وہ اس کا انکار کریں گے۔

مگر زرارہ نے کہا: ہاں، بخدا میں نے وہ اپنے اندازے کے مطابق کہی تھی۔

مطلب یہ ہے کہ شبہ نہ کیا جائے کہ زرارہ نے وہ بات امام علیہ السلام سے نقل کی تھی۔

متعدد روایتیں جو قیام کے انتظار اور اصحاب ائمہ علیہم السلام کی طرف سے اس کی درخواست کے بارے میں موجود ہیں ان سے اس بات کی واضح نشان دہی ہوتی ہے کہ ائمہ علیہم السلام کا ہدف اور مقصد یعنی حکومت علوی کی تشکیل، اس کے لئے جدوجہد اور اس کا متوقع ہونا شیعیان آل محمد حتیٰ ائمہ علیہم السلام کے قریب ترین ساتھیوں کے درمیان مسلمات میں شمار ہوتا تھا اور یہ چیز ائمہ علیہم السلام کے ہدف اور حکمت عملی کا ایک قطعی قرینہ ہے۔

ایک دوسری بحث یہ ہے کہ ائمہ علیہم السلام کے ساتھ خلفائے وقت کے بغض وعناد اور دشمنی و عداوت کی وجہ کیا تھی؟ آیا ان کے حسد کی وجہ ائمہ علیہم السلام کی معنوی عظمت اور عوام میں ان کی ہر دل عزیزی تھی اور ان تمام دشمنیوں کا موجب اور محرک یہی چیز تھی؟

یا حقیقت امر کچھ اور ہے؟

یقیناً اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ائمہ علیہم السلام خلفا نیز اس طرح کے دوسرے افراد

[1] رجال الکشی۔ اِختیار معرفۃ الرجال/ النص/ 156/ زرارۃ بن أعین..... ص: 133

کے حسد کا نشانہ رہے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کی اس آیت: "اَمۡ یَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰـہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ۚ "[1] (یا وہ (اللہ کے خاص) لوگوں سے اس فضل کی وجہ سے حسد کرتے ہیں جو انہیں اللہ نے دیا ہے) کی تفسیر کے ذیل میں ائمہ علیہم السلام کی ایک روایت میں اس مضمون کی موجود ہے کہ

نَحۡنُ الۡمَحۡسُودُونَ [2]

یعنی وہ لوگ جن سے لوگوں کا حسد کرنا اس آیت میں ذکر ہوا ہے ہم لوگ ہیں۔

البتہ یہ دیکھنا چاہئے کہ ائمہ علیہم السلام کی کس چیز سے حسد کیا جاتا تھا؟ کیا ان کے علم و تقویٰ سے لوگ حسد کرتے تھے؟ تو یہ سب ہی جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں ایسے علما و زہاد بھی موجود تھے جو ان ہی صفات کے ساتھ لوگوں میں پہچانے جاتے ہیں اور ان کے چاہنے والوں اور دوستوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ مثال کے طور پر ابوحنیفہ، ابو یوسف، حسن بصری، سفیان ثوری، محمد بن شہاب اور اسی طرح کے دسیوں مشہور و معروف لوگ اس وقت موجود تھے جن کے مطیع و خیر خواہ بڑی تعداد میں موجود تھے اور وہ لوگوں کے درمیان مشہور اور ان کے محبوب بھی تھے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ خلفا نے نہ فقط یہ کہ ان کے ساتھ بغض و حسد کا اظہار نہیں کیا بلکہ ان میں سے بعض خود ان خلفا کی محبت اور عقیدت کا مرکز بھی رہے ہیں۔

ہماری نظر میں ائمہ علیہم السلام کے ساتھ خلفا کی ایسی دشمنی جو گرفتاری، دربدری اور قید و بند کے بعد ان کی شہادت پر منتہی ہوتی تھی اس کی اصل وجہ کسی اور ہی چیز میں تلاش کرنی چاہئے۔ اور وہ چیز ائمہ علیہم السلام کا دعویٰ خلافت و امامت ہے جبکہ دوسرے یہ دعویٰ کرتے نظر نہیں آتے۔ یہ ان ہی بحثوں میں سے ایک بحث ہے جس پر تحقیق و تدقیق کئے جانے کی ضرورت ہے۔

---

[1] سورہ نساء ۴، آیت ۵۴

[2] کتاب سلیم بن قیس الہلالی/ ج2/ 770/ الحدیث الخامس والعشرون [1]..... ص:748

اسی طرح ائمہ علیہم السلام کے اصحاب کا حکام کے ساتھ تیز و تند مقابلہ اور ٹکراؤ بھی ایک تحقیق طلب موضوع ہے۔ جس کے نمونے ائمہ علیہم السلام کی زندگی کے دوران بخوبی دیکھے جاسکتے ہیں۔ حضرت سجاد علیہ السلام کے زمانے میں جو سخت گھٹن کا دور ہے یحییٰ بن ام طویل جو حضرت علیہ السلام کے حوارئین میں سے تھے مسجد مدینہ میں آتے تھے اور ان لوگوں سے جو یا رو دربار خلافت کے سامنے سر تسلیم خم کر چکے تھے یا خلافت کے کارگزاروں میں سے تھے خطاب کرتے ہوئے قرآن کی وہ آیت پڑھتے ہیں جس میں کفار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گفتگو کا ذکر ہے۔

كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ ... [1]

ہم تو تمہارے (دین کے) منکر ہیں اور جب تک تم یکتا خدا پر ایمان نہ لاؤ ہمارے تمہارے درمیان کھلم کھلا عداوت اور دشمنی قائم ہوگئی۔

اور اسی طرح کناسہ کوفہ میں مجمع عام میں شیعوں کے ایک گروہ کو خطاب کرتے ہوئے با آواز بلند ایسی تقریر کرتے ہیں جس کا لفظ لفظ حکام وقت کی سیاست کے لئے کھلا چیلنج تھا۔

معلٰی بن خنیس، نماز عید کی ادائیگی کے لئے جب لوگوں کے ہمراہ صحرا کی جانب جاتے تھے تو نہایت ہی پریشان حال، غیر مرتب لباس میں غمگین صورت نظر آتے تھے۔ اور جیسے ہی خطیب منبر پر جاتا تھا تو ہاتھوں کو بلند کر کے با آواز بلند کہتے تھے:

"پروردگار! یہ منبر اور یہ مقام تیرے منتخب اور برگزیدہ کا ہے جو فی الحال ان سے چھین لیا گیا ہے اور دوسروں نے اس پر اپنا پنجہ مضبوط کر لیا ہے۔"

مقام افسوس ہے کہ یہ بلند صحابی جس کے قاتل پر امام جعفر صادق علیہ السلام لعن و نفرین کرتے ہیں اور مقتول کی تعریف و توصیف فرماتے ہیں بعض افراد کی بے مہری کا نشانہ بنے ہیں اور وہ ان کی وثاقت میں شک کرتے ہیں۔ اور بعید نہیں ہے کہ اس فکر کے پیچھے بنی عباس کا خبیث

---

[1] سورۂ ممتحنہ: ۴

ہاتھ کارفرما ہو۔

ایک اور مسئلہ جو کافی وسیع اور گہری بحث کا طالب ہے تقیہ کا مسئلہ ہے۔اس عنوان کو سمجھنے کے لئے لازم ہے کہ ان تمام روایات کی چھان بین کی جائے جو کتمان، پردہ داری نیز خفیہ سرگرمیوں سے متعلق ہیں، تا کہ ایک طرف تو ائمہ علیہم السلام کے اس ادعا اور ہدف کے پیش نظر جو گزشتہ مباحث میں ثابت کیا گیا ہے اور دوسری طرف خلفا کے اس شدید ردعمل کے پیش نظر جو ائمہ علیہم السلام کے اس دعویٰ اور اس سلسلے میں ان کی اور ان کے اصحاب کی سرگرمی اور سیاسی فعالیت کے خلاف ظاہر ہوتا رہا ہے، تقیہ کا صحیح اور حقیقی مفہوم سمجھا جا سکے۔

البتہ ایک چیز جس میں کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں، وہ یہ ہے کہ تقیہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے یا تمام کام اور سعی وکوشش ترک کردینے کا نام نہیں ہے بلکہ اپنے کام اور جدوجہد کو پوشیدہ رکھنے کو تقیہ کہتے ہیں۔اور یہ بات روایات پر نظر ڈالنے سے پوری طرح روشن ہو جاتی ہے۔

یہ ائمہ علیہم السلام کی حیات طیبہ سے متعلق ضروری مباحث کا صرف ایک حصہ ہے۔البتہ ان بزرگان دین کی سیاسی زندگی سے مربوط بہت سی دوسری بحثیں بھی ہیں جن کی فہرست پیش کرنے کی بھی اب گنجائش نہیں ہے اگرچہ ان سے متعلق ضروری نوٹس میرے پاس اس وقت بھی موجود ہیں۔

حقیر نے ان تمام موضوعات پر بڑی تفصیل کے ساتھ کام کیا ہے مگر افسوس کہ آج ان تمام چیزوں کے بیان اور ان کی جمع بندی کی فرصت نہیں رہی۔

اے کاش! ایسے باہمت افراد پیدا ہوں جو اس کام کو آگے بڑھائیں اور ائمہ علیہم السلام کی سیاسی زندگی بھی یکجا صورت میں لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جائے اور ہم ان عظیم ہستیوں کی زندگی کے ان روشن پہلوؤں کو اپنے لئے درس اور نمونے کے عنوان سے اختیار کریں نہ کہ صرف ایک زندہ و پائندہ یادگار کے طور پر ان کا ذکر کرنے پر ہی اکتفا کریں۔